

کشمیر کا گاندھی

یعنی

سوانح حیات شیخ محمد عبداللہ صاحب

از قلم گوہر قسم

جناب پنڈت پریم ناتھ برار

۱۹۳۶ء

ملنے کا پتہ

دی کشمیر پبلشنگ کمپنی سرائے گندھارا

ذخیرہ کتب: محمد احمد ترازوی



۱
بزرگوار

بصورتی حیات شیخ محمد عبداللہ
از تلمذ گوهرت

جناب پنڈت پریم ناتھ صاحب بزاز بی۔ اے

ملنے کا پتلا
دی کثیری بلشاک کینی سیر کثیری

پہلا ایڈیشن
قیمت فی جلد ایک روپیہ

(ح)

خطاب بہر کشمیر شیخ محمد عبد اللہ

مرحبا اے شیر مرد باخدا اثنان وطن ہے
 مرحبا اے ستم نلو جوانان وطن
 مرحبا اے ہر تنویر صداقت مرحبا
 ناک دل آزاد مضنون طبعیت مرحبا
 قطرہ قطرہ تیرے خم کا زندگی افروز ہے
 تیرا دردی کشن شا ک لطف لہو ہے
 تیری ہر حرکت کے لہر نیر تاثیر حیات
 تیری ہر تبدیلی ہی تبدیلی تعمیر حیات
 کر دے بیدار تو نے جھگان ملک و قوم
 اپنی جہمت بڑھائی غرور شان ملک و قوم
 تیری قربانی تیرا اثار اک اعجاز ہے
 ذات تیری بگیاں سرمایہ صد نان ہے
 تیری جھمی میں سے ہیں طفل و جوان و پیر کا
 شیر ہے تو سر زمین جموں و کشمیر کا

معنوں

اُن لاکھ مظلوم کشمیریوں کے نام پر جن کے شیخ محمد عبداللہ
نے اپنی عزیز ترین زندگی کو قربان کر رکھا ہے۔ میں اس ناحسب سخی کو
معنوں کرتا ہوں۔

(مصنف)

میری بدقسمتی اور ملک کی بدقسمتی سے کئی جماعتیں ہمارے تحریک کو غلط سمجھ رہی ہیں۔ حکومت سمجھتی ہے کہ میں اس کے خلاف ہوں اور اس کو دہم و ہرجم کرنا چاہتا ہوں۔ ہندوؤں کا ایک حصہ سمجھتا ہے کہ میں ان کی بنی سبائی عمارت زندگی کو گرانا چاہتا ہوں۔ اور مسلمانوں کا ایک طبقہ بھی اسی دہم میں مبتلا ہے کہ میں ان کے وقار و اقتدار کو نقصان پہنچانا چاہتا ہوں۔ خدا گواہ.....

ان میں سے مجھے ایک بھی خواہش نہیں۔ مجھے صرف یہی تسنا ہے کہ اس ملک کے ہر ایک باشندے کو خوش و خرم دیکھوں۔ اور انہیں انسانی درجہ دلاؤں۔ اس میں مذہب و ملت کی کوئی تمیز نہیں۔

شیخ محمد عبداللہ
 ۱۹۳۲ء
 لاقتباس از تقریر مقام شہیل پٹنہ اخبار حقیقت مورخہ جون ۱۹۳۲ء

رس

کشمیری

آج سے چار سال پہلے کشمیر سیاسی طور پر مردہ تھا۔ صدیوں کی غلامی نے کشمیریوں کو ان تمام علامات بدکار بنادکھا تھا جو مغلوب قوموں میں پائی جاتی ہیں۔ شاید مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ بڑی بڑی کا دوسرا نام کشمیری سمجھا جاتا تھا۔ غیر کشمیری جس حقارت کی نگاہ سے یہیں دیکھتے تھے اُس کے شاہدہ سے ایک حوددار انسان کا دل چھلنی ہوا جاتا تھا۔

لکین ۱۹۳۱ء میں جب انقلاب عظیم ملک میں بپا ہوا۔ اور اُس کشمکش میں کشمیریوں نے حکومت وقت سے اپنے مطالبات کو پورا کرانے اور شکایات و انتحانات کو دور کرانے کے لئے جس بہادری اور قربانی کا ثبوت دیا۔ اس نے صرف کشمیری قوم بیدار ہو گئی۔ بلکہ غیر کشمیری اقوام کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی مثالیں بھی ہم ہوئیں۔ یہ حقیقت اب دنیا پر فضل گئی ہے۔ کہ کشمیری جن کی دماغی اور ذہنی قابلیت کا لوا زمانہ سلف میں مذہب قویں مان چکی تھیں۔ اور جن کے جینا موریس پوت اس وقت بھی برطانوی ہند کے آسمانِ سیاسیات پر دشمنہ تارے بن کر چمکتے ہیں۔ جب مادر وطن کو آزاد کرنے اور اپنے پیدائشی حقوق حاصل کرنے کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑے۔ تو اپنا مال و دولت بلکہ زندگی تک قربان کرنے سے نہ ہچکچائے۔

یوں تو ہر ایک تحریک کی کامیابی کا انجمن ہمارے ہمارا کی قابلیت پر ہوا کرتا ہے۔ لکین صدیوں سے ایک خفہ قوم کو حیدر مہینوں کے اندر بیدار کرنا اور بہادر دل کی طرح اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا کسی معمولی قاید کا کام نہیں۔ بھرے ہوئے شیر اڑھو مکیجا کر کے مردہ

نوجوانوں میں روح بھونک دنیا۔ اور پھر اہل قوم کے لئے جان عزیز قربان کرانے کے لئے تیار کرنا یہ صرف شیخ محمد عبداللہ کا ہی کام ہے۔ اگر آج کشمیری "تو" بھی اپنی گردن کو اڈ پر اٹھا کر وطن کے اندر اور اس کے باہر چل سکتے ہیں۔ تو یہ اس ایشیا مجسمہ فرشتہ خصلت نوجوان کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے جس کی عمر ابھی تیس سال بھی مکمل نہ ہوئی ہے۔

یقیناً شیخ محمد عبداللہ نے اس چھوٹی عمر میں جو کر دکھایا۔ کسی کشمیری نے نہیں کیا ہے۔ لیکن آپ کے برخلاف پروپیگنڈا بھی بہت ہوا۔ اگرچہ یہ کتاب اس پروپیگنڈا کا جواب دینے کی نیت سے نہیں لکھی جا رہی ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ میری یہ ناچیز کوشش ایسے مکروہ پروپیگنڈا کے اثرات بد کو زائل کرنے کا بھی کما حقہ کام دیگی۔ شمالی ہندوستان کے وہ لوگ جن کو سیاسی تحریکوں کا کچھ بھی علم ہے، شیخ محمد عبداللہ کے نام سے واقف ہیں۔ کشمیر کا بچہ بچہ عورت اور مرد ہندو و مسلمان آپ کے نام سے پوری طرح آشنا ہیں۔ نوجوانوں کے تو آپ آدرش ہیں۔ وہ قوم زندہ ہیں۔ جو اپنے ایسے قائد اعظم کی زندگی کے صحیح حالات سے واقف نہ ہو۔ اسی غرض کو مد نظر رکھ کر میں نے واقعات کی جا بجا پڑتال کے بعد یہ کتاب حوالہ قلم کر دی ہے۔

اگرچہ شیخ محمد عبداللہ کی سوانح حیات اور تحریک کشمیر کی تاریخ کو الگ کرنا مشکل ہے۔ لیکن اس کتاب میں کوشش یہی کی گئی ہے کہ تحریک کشمیر کا وہی حصہ معرین تحریر میں لایا جائے۔ جن کا بالواسطہ اُن کے ساتھ تعلق ہو۔ تحریک کشمیر کے متعلق مفصل طور پر میں ایک علیحدہ کتاب لکھ رہا ہوں۔ جو مکمل ہونے پر شائع ہوگی۔

شیخ محمد عبد اللہ کی شخصیت سیاحت کشمیر میں وہی درجہ رکھتی ہے جو بٹالوی
 ہند کے پالیٹکس میں ہاتھ گاڑ دھکی کی۔ چاہے کوئی رہنما انڈین نیشنل کانگریس
 کا صدر ہو۔ ہاتھ گاڑ دھکی اس کے روحِ رواں ہیں۔ اسی طرح حکومت کشمیر اور
 کشمیری جانتے ہیں کہ اگرچہ سیاسیات کشمیر کی رہنمائی کرنے کے لئے آئینی طور
 کوئی ہی خادم ملک مقرر کیوں نہ کیا جائے۔ ملک کے پالیٹکس کی باگ ڈور کشمیر
 کے ہاتھ میں ہی ہے۔ اور قومِ اُہنی کے اشارہ پر ناجنابا نہیں ہے شیخ محمد عبد اللہ
 کشمیری۔ جمہور کے دلوں کے اسی طرح مالک ہیں جس طرح ہاتھ گاڑ دھکی ہندوستان
 کے بغرضیکہ کئی پہلو سے دیکھا جائے تو شیخ محمد عبد اللہ اور ہاتھ گاڑ دھکی میں
 مجھے نسبت دکھائی دیتی ہے۔ چونکہ شیخ صاحب نے اسی مطالبہ کا ایک اعلان
 بھی کر دیا ہے کہ وہ کشمیر میں کانگریس کے اصولوں پر ملکی اور قومی تحریک کو
 چلانے کے زبردست خواستمند ہیں۔ اور یہی کہ اس کتب کے مطالعہ سے
 ظاہر ہو گا۔ وہ ابتدا سے ہی قوم پرستی کے حامی اور کانگریس خیالات کے بھگت
 رہ چکے ہیں۔ اس لئے میں نے اس کتاب کا نام **کشمیر کا گاندھی** رکھ
 دیا ہے۔

میں اپنی انتہائی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ اگر میری اس ناچیز کوشش سے
 نوجوانانِ وطن دیکھ سکیں گے کہ کس طرح ایک عظیم دست و پا مغرب نامعلوم اور ناچیز
 سستی صدیوں سے دبائی ہوئی ایک قوم کو **کشمیر** کا شکا رہونے سے بچا
 کہ شاہِ راہِ ترقی پر لا سکتی ہے بشرطیکہ اس کے دل میں سمیت ہو قومی درد
 کی ٹرپ ہو۔

میں اپنے عزیز دوست نڈت بلدیو پرشاد جی شرما۔ بی۔ اے ایڈٹیر

کشمیر ٹائمز کا بہت ہی مشکور ہوں کہ انہوں نے مجھے اس کتاب کے لکھنے میں مختلف جرائد کے ایسے درجنوں مضامین ہم پہنچائے جو تحریک کشمیر کے دوران میں اس کے متعلق شائع ہوئے تھے۔ مولانا محمد سعید صاحب مولوی فاضل نے اس کتاب کے سودہ کا مطالعہ کر کے مجھے زیر بار کر دیا ہے۔

پریم ناتھ بزاز

سورخیم جون ۱۹۳۵ء

تحریک حریت کشمیر کے عذاران :-

فہرست عذاران بار اول :-

- (۱) مفتی شریف الدین (۳) مفتی اسد الدین دیکل
(۲) مرزا غلام مصطفیٰ (۴) خواجہ عبدالرحیم بانڈے

عذاران بار دوم

- (۱) مفتی شہاب الدین (۳) خواجہ غلام احمد اشالی
(۲) خواجہ سعد الدین اشالی (۴) میر داعظ مولانا محمد یوسف

۱۹۱۳
قطعه تاریخ ابتدای تحریک حریت کشمیر = ۱۳۵۱ھ
"غدار قوم" = ۱۳۵۰ھ = (۱۹۳۱ء)

کا قطعه تاریخ علیحدگی چند افراد از تحریک حریت

"غدار قوم" = ۱۳۵۱ھ = (۱۹۳۳ء)

ابتدائی زندگی کے حالات

سرنگرے پانچ میل کے فاصلے پر شمال کی طرف گاندبل کی سڑک پر ایک گاؤں واقع ہے جس کا نام سودرہ ہے۔ اُس گاؤں کی خوبصورتی اور اہمیت اس وجہ سے بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ چھیل آنچار کے کنارے پر واقع ہے اور ہندو یا تری چکیر بھوانی کے درشن کے لئے تولاہ سولہ پیدل جاتے ہیں۔ اسی جگہ سے کشتی میں بیٹھ کر آنچار کے پار اُترتے ہیں۔ سودرہ کی آبادی کلیتاً مسلمانوں کی ہے۔ جن کا پیشہ مزدوری یا رنگری ہے۔ سودرہ کے پاس ہی سڑک کی دوسری جانب دھارناگ کا ایک اور گاؤں ہے۔ جس میں کئی کشمیری سٹیت بھی آباد ہیں۔ اس جگہ مندروں کا ایک استھان ہے۔ چند سال سے دھارناگ اور سودرہ دونوں کننگر سولڈی کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔

سودرہ میں ایک متوسط الحال گھرانے کے اندر ۱۵ دسمبر ۱۹۰۵ء کے روز شیخ محمد عبداللہ پیدا ہوا۔ آپ کے باپ کا نام شیخ محمد ابراہیم تھا۔ اور وہ آپ کی پیدائش سے ۱۵ روز پیشتر ہی اس عالم فانی سے چل بسے تھے۔

آپ کے آبا و اجداد کا پیشہ تجارت ہی چلا آتا تھا۔ اور شیخ محمد ابراہیم بھی لیشمنہ کی سوداگری کا کام ہی عمر بھر کرتے رہے۔ آپ خدا دوست تھے۔ اور عموماً اپنی کمائی کا ایک نمایاں حصہ خیرات میں خرچ کیا کرتے۔ یردوں۔ فقروں۔ اور سادھوؤں کی صحبت میں رہ کر یاد خدا کرنا آپ اپنا فرض اولیٰ سمجھتے تھے۔

اپنی زندگی کا مقصد آپ نے غریبوں اور تنگدستوں کی دستگیری اور خدمت میں خرچ کرنا سمجھ رکھا تھا۔ آپ صوفی طبعیت کے آدمی تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کی طبعیت کے اندر جو زایدانہ عنصر موجود ہے۔ وہ اُسکے والد سے اُن کو حاصل ہوا ہے۔

باپ کی سب سے بڑی وقت وفات کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ کی پرورش کا بار اُس کی ماں پر ہی پڑا۔ انہوں نے بھی اس ذمہ داری کو بوجہ احسن پورا کر دیا۔ اور جب تک وہ زندہ رہیں شیخ محمد عبداللہ کی تعلیم و تربیت۔ اُن کے اخلاق۔ اور ان کی جسمانی صحت کی نگرانی کرتی رہیں۔ اُن کے پاس جس قدر دنیاوی دولت تھی۔ وہ اپنے بیٹے پر خرچ کر دی۔ یوں تو ہر ایک ماں سمندر دار و شفیق ہو ا کرتی ہے۔ لیکن عقلمند ماں دنیا میں بہت کم ملتی ہیں باپ کے انتقال کے بعد اگر شیخ محمد عبداللہ کی پرورش کرنے کے لئے اُن کی ماں نہ ہوتی۔ تو بھرا اُغلب تھا۔ آج شیخ محمد عبداللہ کا نام سوائے چچا ایک افراد کے کسی کو پتہ نہ ہوتا۔ اپنی ماں سے شیخ محمد عبداللہ نے مصیبت کے وقت بھی یوں نہ ہونا۔ اپنے رفیق پر بھروسہ رکھنا۔ جتنا بھی ہو سکے تعلیم حاصل کرتے جانا۔ طبیعت پر ہر حالت میں قابو پانا۔ اور دیگر سچو قسم کے وہ اوصاف جن کی بدولت ایک معمولی آدمی رہنمائی کے قابل بن سکتا ہے۔ حاصل کئے۔

شیخ محمد ابراہیم نے پہلی بیوی کے فوت ہونے پر دوسری شادی کی تھی۔ پہلی بیوی سے اُن کے یقین لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ شیخ محمد خلیل شیخ عبدالکبیر شیخ عبدالغفار دوسری بیوی سے شیخ محمد مقبول۔ شیخ غلام محی الدین اور شیخ محمد عبداللہ اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ سب بھائیوں سے چھوٹا تھا۔ شیخ محمد مقبول ملازمت سرکار میں سیکرٹریکل سکول میں ماسٹر ہیں۔ باقی بھائی اپنے آبائی پیشہ لہندہ کی تجارت کو چلا رہے ہیں۔

شیخ محمد عبداللہ بچپن سے ہی ذہین اور خود دار لڑکا معلوم ہوتا تھا۔ وہ ہر ایک بات کی تدابیر جاننے کے لئے اپنی والدہ اور بھائیوں سے بار بار پوچھا

کرتا۔ اور جب تک اُس کی تسکین نہ ہوتی چپ نہ کرتا۔ دوسرے بچوں کے ساتھ
 کھیلنے کھیلنے وہ کبھی دنیا یا جھوٹ کو استعمال کرنے سے نفرت کیا کرتا تھا۔ اگرچہ
 بزرگوں کی اطاعت کرنا ابتدا سے ہی اس کا شیوہ تھا۔ لیکن جب کبھی دیکھا کرتا
 کہ کسی شخص نے اپنی زندگی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ تو اُس کے خلاف پیرڈسٹ
 کرتا۔ اور اگر ضرورت پڑتی تو صاف جواب دے دیتا تھا۔ ان اوصاف کو مد نظر
 رکھ کر آپ کے رشتہ دار اور ہر ایک آدمی شیخ محمد عبداللہ کی ماں کو کہا کرتے۔ کہ
 بچے کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے جلدی کسی مدرسہ میں داخل کر دیا جائے
 سو درہ میں کوئی سرکاری یا غیر سرکاری سکول موجود نہ تھا۔ نہ ہی کوئی پرائیویٹ سکول
 تھا۔ اس لئے جب شیخ محمد عبداللہ سات سال کا ہوا۔ تو آپ کو والدہ کی ہدایت
 کے مطابق آپ کو نزدیک ہی نوشہرہ کے پرائمری اسلامی سکول میں داخل کر
 دیا گیا۔ اگرچہ سرکاری پرائمری سکول دھارناگ سو درہ کے نزدیک ہی تھا۔ لیکن
 آپ کی والدہ نے آپ کو نوشہرہ کے سکول میں داخل کرنا بہترین سمجھا۔
 کیونکہ وہ قومی سکول تھا۔ اور اُن کا خیال تھا کہ وہاں چھوٹے شیخ محمد عبداللہ کے قومی
 اور ملی خیالات کو قوت حاصل ہوگی اور آپ کے دل میں ملک کی خدمت کو زندگی کا
 مقصد سمجھنے کا خیال جاگزیں ہوگا۔ لیکن انیسویں تین سال کے تجربہ نے یہ بات غلط
 ثابت کر دی۔ اور جب ابھی محمد عبداللہ چوتھی جماعت میں داخل ہی ہوا تھا۔ اُس کو
 سرٹیفکیٹ حاصل کر کے دھارناگ سرکاری سکول میں داخل ہونا پڑا۔ سارٹیفکیٹ
 حاصل کرنے کے لئے بھی جن دفتروں کا اُس کو مقابلہ کرنا پڑا۔ اُن کے تلخ تجربات
 اُس کو مجبور کیا کہ جب وہ پرائمری کا امتحان پاس کر کے ۱۹۱۷ء اسلامیہ ہائی سکول

میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ تو وہ بادل نا خواستہ سیٹ ہائی سکول (اب گورنمنٹ ہائی سکول)
فتح کھل میں داخل ہوا۔ سیٹ ہائی سکول میں شیخ محمد عبداللہ نے پانچ سال تعلیم پائی۔ اور
۱۹۲۲ء میں اُس نے ایٹرٹیس کا امتحان پاس کیا۔

ایام طالب علمی میں شیخ محمد عبداللہ نے کوئی خاص قابلیت نہ دکھائی جو اس کی
اس شاندار پبلک لائبریری کا پیش حتمہ ثابت ہو سکتی۔ اُس نے تعلیم حاصل کرنے میں کوئی
غیر معمولی ذہانت دکھائی۔ لیکن اُس کے ساتھ اُس کی صاف گوئی اور راست باہمی
سے نہایت ہی خوش ہوتے تھے۔ وہ کبھی لاگ لپٹ کی کوئی بات نہ کیا کرتا۔ اگر کبھی غلطی کر
جاتا تو اُس کے تسلیم کرنے میں اُس کو کوئی سچکچاٹ نہ ہوتی۔ اپنے ہم جماعتوں میں شیخ محمد عبداللہ
ہر دلعزیز تھا۔ اُس کی شرافت سے بہت متاثر ہوتے اور اس پر کامل اعتبار رکھتے
آج کل بھی شیخ محمد عبداللہ کے استاد بتاتے ہیں۔ کہ وہ اوصاف جن کی بدولت
وہ ملک کے تمام طبقہ جات میں ہر دلعزیز سمجھا جاتا ہے۔ ایام طفولیت اور طالب علمی
میں ہی اُس کے اندر پائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ سیٹ ہائی سکول
میں کسی استاد نے آپ کو بلا وجہ لاکھٹی شانہ پر مار دی۔ آپ نے اس پر سخت پروٹسٹ
کیا۔ اور غصہ میں آکر استاد کو برا بھلا کہا۔ معاملہ یہ ماسٹر تک پہنچ گیا۔ انہوں نے یہ تسلیم کیا
کہ ماسٹر نے غلطی کی ہے۔ لیکن آپ بوجھالیا کہ استاد کو برا بھلا کہنا عالمی اعتراض ہے
اس لئے آپ ماسٹر سے معافی مانگیں شیخ محمد عبداللہ نے جھٹ پٹ اپنی غلطی تسلیم
کر لی۔ اور بتایا کہ استاد کی پوزیشن نہایت ہی قابل احترام ہے۔ وہ شاگرد واقعی نہایت
بدبخت ہے جو اپنے استاد کی تعظیم کرنا نہ جانتا ہو۔ لیکن استاد کو بھی اپنے شاگرد کی خود ادا
کی سپرٹ کا پاس کرنا لازمی ہے۔

سٹیٹ ہائی سکول سے انٹر مینس پاس کرنے کے بعد شیخ محمد عبداللہ سری پرتاپ کالج میں داخل ہوا۔ آپ نے فٹ بال سے ہی سائنس لیا ہوا تھا۔ اس لئے آپ کو الف۔ ایس سی لینا پڑا۔ لیکن آپ نے امتحان میں بمقابلہ دوسرے لڑکوں کے کم نمبر حاصل کئے تھے۔ الف۔ ایس سی میں داخل ہونے والے طلباء کی تعداد زیادہ ہونے اور کالج میں سائنس کے لئے محدود نشستیں ہونے کی وجہ سے آپ کو الف ایس سی کلاس میں داخل کرنے سے انکار کیا گیا۔ لیکن آپ کی الو اعزمانہ سرٹ نے آپ کو محکمہ تعلیم کے انسپران بالا کے دروازوں کو کھٹکھٹانے پر مجبور کیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ الف۔ ایس سی میں داخل ہوئے۔ سری پرتاپ کالج میں بی۔ ایس سی کی تعلیم بہن دی جاتی ہے اس لئے آپ کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کیلئے باہر جانا پڑا۔ آپ نے پہلے پرنس آف ویلز کالج جموں میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ لیکن وہاں نشستیں قریباً پُر ہو چکی تھیں۔ ایک نشست تو خالی تھی لیکن وہ ایک غیر ریاستی انسیر ریاست کے لڑکے کو دی گئی۔ آپ نے اس کی جگہ صدائے اجتماع بلند کر دی۔ لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس لئے آپ کو لاہور جانا پڑا۔ وہاں آپ اسلامیہ کالج میں داخل ہوئے۔

بی۔ ایس سی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آپ کو لاہور میں دو سال ٹھہرنا پڑا۔ لاہور کی آزاد فضا کا اثر آپ پر بہت کچھ ہوا۔ آپ نے محسوس کر لیا کہ کشمیری کس زلت و رسوائی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

لاہور میں اکثر سیاسی یا غیر سیاسی انجمنوں کے اجلاس ہوا کرتے تھے جن میں ملک کے بڑے بڑے لیڈر آکر تقریریں کیا کرتے تھے۔ اسلامیہ کالج میں

کشمیر کا گلدوزی



شیخ کشمیر شیخ محمد عبدالہ

بھی رہنما طالب علموں کو اکثر اپنے خیالات اور ملک کی غلامی سے آگاہ کرتے رہے تھے۔ آپ ان سب تفسیر کو بلوٹن ہوش سنتے۔ آپ دیکھتے تھے کہ پنجاب میں غریب اور تھری کی آزادی کے باوجود بھی لوگ اپنے آپ کو غلام سمجھتے ہیں لیکن کشمیری جن کو زبان ہلانے تک کی بھی اجازت نہ تھی۔ ایک بے بس قیدی کی سی زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن اُن تک نہیں کر سکتے جو اپنی شکایات اور سختیاں کو زبان پر لانا خطرناک سمجھتے ہیں۔ کیسے زندگی کے دن گزار رہے ہیں، اگرچہ آپ کسی مجلس میں تقریر نہیں کرتے تھے۔ اور نہ ہی اپنے ان اندرونی خیالات کو کسی پر ظاہر کرتے تھے۔ لیکن کبھی اپنے ہوسٹل کے کمرے میں چارپائی پر پڑے پڑے تنہائی کے لمحات میں اپنے وطن مالوف اور دہاں کے رہنے والوں کی طرز زندگی اور منطومیہ پر چار آنسو بہا دیتے تھے۔

سردیوں کے دنوں کشمیری کانوں کو پنجاب کے بازاروں میں دلت آمیز حالت میں مزدوری کرتے ہوئے دیکھ کر آپ کے دل پر جو گذرتی تھی۔ وہ اُن کی ہی زبانی سنئے۔

ہو کم سرمایہ میں میرے بموطن کشمیری بچہ لاہور آئے۔ اور محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے جب میں ان کو مٹی ڈھوتے اور کھلادی شہتیر یا وزنی بوریاں اٹھاتے دیکھتا تو دل سے بے اختیار آہ نکل آتی میرا دل اُن غریب الوطنوں کی سبکیسی، بغلی اور منطومیہ پر آٹھ آٹھ آنسو دھاکتا اور ہر لحظہ دل سے یہی دعا نکلتی تھی کہ اے غریبوں اور سبکیوں کے مالکے خدا۔ تو وہ دن لا۔ کہ میں منطوم کھائیوں کو خوشی اور چین کی زندگی کرتے دیکھوں۔ اُن پر کوئی جابر ہاتھ ظلم برپا کرنے نہ آئے۔ اور وہ

یوں سبکی اور مظلومی کی حالت میں کشمیر جیسے قطعہ بہشت کو چھوڑ کر پنجاب کے
مہلتاں میں چلنے نہ آئیں۔

پنجاب میں کشمیری مزدور کو ہتھوڑتے ہیں۔ ایک خوددار کشمیری پنجاب میں اپنے
سموطن مزدور کے ساتھ پنجابیوں کے نہایت ہی غیر مذبانہ سلوک کو دیکھ کر نفرتی انداز
گڑاتا ہے۔ کبھی کبھی سمدردی کے جذبے مغلوب ہو کر کئی تعلیمیافتہ کشمیریوں نے
اس طریقہ کو رد کرنے کے لئے جدوجہد بھی کی ہے۔ خوددار اور نوجوان محمد عبداللہ کے
دل پر لاہور میں کشمیری مزدوروں کی حالت دیکھ کر کیا گذرتی تھی۔ اُس کا حال ذیل
کے اقتباس سے پایا جاتا ہے۔

”میں کشمیری تھا۔ اور میرے سموطن بھائی پنجاب میں گدھوں سے زیادہ محنت
کر کے پیٹ پالتے تھے۔ اُن کی وجہ سے میرے ہم جماعت دوست مجھے
پر آواز سے کہتے بھید پر طعنہ زنی کرتے اور مجھے ہنسی کے طور پر مہو کہہ کر
لکھاتے۔ میں بے اختیار تھا۔ اور سوائے اپنے سموطنوں کی مظلومت پر خون کے
آنسو بہانے کے اور کیا کر سکتا تھا۔ میرے پنجابی دوستوں کا مذاق مجھ پر بھلیاں گرتا تھا
مجھے اپنے وطن عزیز سے اور زیادہ محبت ہوئی۔ میں مظلوم تھا۔ اور مظلوم قوم کا
مزدک تھا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ ایک مظلوم کے لئے۔ اُس کا وطن ہی بہترین جگہ ہے۔
لاہور میں اس آنا دھنسا کا اثر آپ کی تابیت پر اتنا لہرا پڑ گیا۔ کہ کچھ عرصہ
آپ تعلیم سے مٹھ موڑ کر سیاسیات کی طرف لگ گئے۔ اگرچہ آپ ابھی بھی نہ تو تقریریں
ہی کرتے تھے۔ نہ کسی انجمن کے کارکن رہ کر سیاسی سرگرمی میں حصہ ہی لیتے تھے
لیکن آپ دن رات ہی سوچتے رہتے تھے کہ کس طرح اپنے سموطنوں کو موجودہ کس
مہر سہی کی حالت سے نکال دیا جاسکے۔ ایسا کرنے کے لئے آپ خاموشی

سے لاہور کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے۔ اس کا نتیجہ آپ کی تعلیم کے لئے اچھا نہ نکلا۔ اور آپ بی۔ ایس۔ سی کے امتحان میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس ناکامی پر آپ کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ زمانہ طالب علمی میں یہ پہلا موقع تھا جب آپ فیل ہو گئے۔ اس لئے آپ نے ہتہ کر لیا۔ کہ جو بھی ہو۔ دوسرے سال بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کر لیا چاہیے۔ آخر میں ۱۹۲۷ء میں بی۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کرنے پر شیخ محمد عبداللہ کشمیر والیس آگئے۔

ہن دنوں حکومت کشمیر کی ہال ڈورسہرالین سیرجی کے ہاتھوں میں تھی وہ سکا لرشپ سلیکشن بورڈ کے صدر تھے۔ حکومت نے فیصلہ کر دیا تھا کہ تعلیمیافتہ طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے۔ اور ملک میں بڑھتی ہوئی بچہ کوروکنے کے لئے چند قابل نوجوانوں کو سندھوستان اور دیگر ممالک میں مختلف مہلقات میں ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے سرکاری خرچہ روانہ کیا گیا۔ اگرچہ سہرالین نے حقے الوس کو شش کی کہ انتخاب غیر جانب دار ہو۔ اور اسید وارہر حالت میں اچھے اور قابل دستیاب ہوں۔ لیکن پھر بھی ریسرچ اور اثر نے کام کیا۔ مسلمان تعلیم میں آنے آگئے نہ تھے۔ جتنے مندو۔ اس لئے وہ مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور ان کے بہت کم آدمی ٹریننگ کے لئے منتخب ہوئے۔ شیخ محمد عبداللہ نے بھی کسی طبقہ کے حاصل کرنے کے لئے بہت اچھے پاؤں مارے۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ آپ نے مسلمانوں کی طرف سے بہت داد دلائی۔ اور چند نوجوانوں کی نسبت میں نشران ریاست کے درجہ سے بھی ٹھٹھائے۔ اور ان پر رخصت دیا۔ کہ اگرچہ مسلمان تعلیم میں پیچھے ہیں۔ لیکن اکثریت مذہب سے کی، جس نے

اُن کے حقوق نظر انداز نہیں کیا جاسکتے۔ اگر ایسا کیا گیا۔ تو ملک میں بد امنی اور
 بے چینی پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے۔ کیونکہ مسلم تعلیم یافتہ طبقہ حکومت کی اس
 بے رخی سے بدظن ہو جائیگا۔ شیخ محمد عبداللہ کی اس تک و دو کا یہ نتیجہ نکلا کہ
 حکومت نے چند مسلم امیدواروں کو بھی مختلف ٹرینگوں کے لئے امریکہ اور انگلینڈ
 روانہ کر دیا۔ خود شیخ محمد عبداللہ کسی وظیفہ کے حاصل کرنے سے محروم رہا
 جس سے اُن کو سخت المیہ ہوئی۔ اُنہیں کیا معلوم تھا کہ قدرت اُن کے
 لئے ادبی ساز و سامان تیار کر رہی ہے۔ اگر اُن کو کوئی وظیفہ حاصل ہوتا
 تو آج وہ بھی کسی دفتر کی کرسی کو زینت دیتے ہوتے۔ لیکن غریب کشمیری کی مطلوبیت
 اور اُس کے درد کا کوئی درماں نہ ہوا ہوتا۔ اور جو شہرت و عزت
 شیخ محمد عبداللہ کو ملک کے طول و عرض میں حاصل ہے۔ وہ اُنہیں کہاں حاصل
 ہوتی ہوتی ہے۔ قدرت کے ساز کسی کو معلوم نہیں ہوتے
 ایک سال تک آپ گھر میں ہی رہے جب آپ نے دیکھا کہ اس طرح
 بیکار رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر آپ کشمیر میں ہی رہے تو آپ کو
 ہاتھ پر ہاتھ دھڑکے بیٹھے ہی رہنا پڑے گا۔ تو آپ ۱۹۲۵ء میں پھر بیرون
 کشمیر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے چلے گئے۔ اس دفعہ آپ لاہور نہ
 گئے۔ کیونکہ لاہور کے اسلامیہ کالج میں ایم اے میں۔ سی ہنس پڑھایا جاتا تھا اور
 آپ کسی سرکاری کالج میں تعلیم حاصل کرنا نہ چاہتے تھے۔ پس آپ نے سیدھے
 علیگڑھ کا راستہ لیا۔ آپ کے چل میں اس قومی یونیورسٹی میں رہنے اور اس
 کی آزاد مضامین نشوونما پانے کی بہت مدت سے دھن لگی ہوئی تھی۔
 آپ نے لاہور میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے اس درگاہ کے متعلق قسم

ہستم کی باتیں کہنی تھیں۔ اس لئے آپ کا خیال تھا کہ اگر مجھے کچھ تعلیم کو جاری رکھنا پڑا۔ تو اسی کالج میں پڑھوں گا۔ اس لئے آپ نے بغیر سوج و بچار کے علی گڑھ کالج کا رخ کیا۔

جیسی کہ آپ کو اُمید تھی۔ دیا ہی ہوا۔ علی گڑھ نے آپ کے نظریہ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اگرچہ سائنس اور اُس کے پرکھیل کرتے کرتے آپ کا تمام دین تعلیم میں ہی صرف ہوتا تھا۔ تاہم آپ نے اب قومی مسائل پر شد و مد سے مباحثہ کرنے کے لئے وقت نکالنا شروع کر دیا۔ حقیقتاً آپ کی سیاسی زندگی پہلے اسی وقت سے شروع ہوتی ہے۔ اب کشمیر اور اہل کشمیر آپ کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ اور آپ شب و روز اسی خیال میں مست رہتے تھے کہ کب تعلیم سے فراغت حاصل ہو تاکہ اپنے وطن مالوہ جا کر اپنے ہم وطنوں کی خدمت کا کام شروع کر دیا جائے۔

۱۹۲۸ء کے آخر میں کلکتہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس ہڈت موتی لال ہنر کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس سے ہندوستانی سیاست نے ایک زبردست ہٹا کھایا۔ کیونکہ اس میں بہاتا گاندھی کی اداد سے ہڈت موتی لال نے اپنے لاڈلے بیٹے ہڈت جواہر لال کی زیر کمان ”کمل آزادی“ کا علم بلند کرنا والوں کو شکست دی۔ اور ساتھ ہی حکومت کو چیلنج دے دیا۔ کہ اگر ایک سال کے اندر اندر ہندوستان کو درجہ نو آبادیات نہیں دیا جاتا تو ۱۹۲۹ء میں کمل آزادی کا اعلان کر دیا جائے گا۔

۱۹۲۹ء ہندوستان کے پارلیمنٹ میں ایک پرجوش سال رہا ہے اس لئے قومی یونیورسٹیوں میں بھی اس جوش و خروش کا اثر پڑ گیا۔

علیگرہ کا لہجہ میں اس سال کے بعد دیگرے جاتا گاندھی سٹر جناح مولانا
 محمد علی۔ مولانا شوکت علی۔ ڈاکٹر کچلو حسن امام وغیرہ سرکردہ قومی رہنماؤں کی
 زبردست تقریریں ہوئیں جن میں سندھستان کی غلامی کا نقشہ اس طرح کھینچا
 گیا۔ کہ سننے والے کا دل پاش پاش ہوا جاتا تھا۔ ان ایک بحث کے لئے
 بھول جاتا تھا۔ کس کی زندگی کی بھی کوئی قیمت ہے۔ نوجوان محمد عبداللہ چیمبر کی
 طبیعت پہلے ہی اس بات کے لئے تیار تھی۔ اس کا بھاری اثر ہوا۔ وہ
 اپنے وطن کی حالت پر غور کرتا۔ اور ان تقاریر کو اپنی غلامی سے منسوب کیا کرتا۔ وہ
 ہی کہتا تھا۔ کہ اگر سندھستان کے متعلق یہ کہا جاتا ہے۔ جو جاتا گاندھی اور
 دیگر لیڈروں نے یہیں سنایا۔ تو کشمیر کے متعلق کیا نہ کہا جائے۔ اس لئے
 میں نے بے زبان کشمیریوں کے اخلاص کے لئے دعا کی۔ اور سچے دل سے
 یہ حلف اٹھایا۔ کہ میں یا تو اپنے مظلوم کشمیری بھائیوں کو ان سے نجات
 دلا دوں گا۔ یا خود بھی ضیاعِ دے کے ظلم و ستم کا شکار ہو جاؤں گا۔

۱۵ مارچ ۱۹۷۹ء کو سر ایلیس بنیرجی نے حکومت کشمیر کی ملازمت
 سے چند اختلافات کی بنا پر استعفیٰ دے دیا۔ آپ نے جاتے جاتے
 سیاسیات کشمیر کے متعلق اخبارات میں مندرجہ ذیل بیان شائع کروایا۔
 مہویارت جموں و کشمیر کمی لقصانات میں کام کر رہی ہے۔ اس میں ایک
 بہت کثیر تعداد مسلم آبادی کی ہے۔ جو بالکل ناخواندہ ہیں۔ غریب اور
 بہت سبب اقتصادی حالات کے درمیان گادیں میں رہتے ہیں اور
 ان پر بے زبان موشیوں کی طرح حکومت کی جاتی ہے۔
 حکومت اور عوام کے درمیان کوئی اسحاق نہیں۔ کوئی مناسب

موقعہ اپنی شکایات پیش کرنے کا اُن کو نہیں دیا جاتا۔ اور حکومت کی مشینری کو اُد پر سے نیچے
 ہم صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اُس کو موجودہ دنیا کے حالات کے مطابق
 قابل بنایا جاسکے۔ اس وقت اُسکو لوگوں کی شکایات اور خواہشات کے ساتھ
 کھوڑی یا بالکل کچھ بھی سمجھ رہی نہیں۔

دولت کا ذہنی طبقہ جس کا نمائندہ کشمیری نڈت فرقہ ہے۔ ایک صورت
 میں دبیائو طبقہ ہے۔ کیونکہ اُن کو بھی ملازمت سرکاری نمایاں ہونے کا موقعہ دیا جاتا
 ہے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے نمائندہ مشاطہ طریق پر مثلاً کارخانہ جات تجارت
 میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بھی بظن ہیں۔ اور
 ایک سکہ بنے ہوئے ہیں جس کو ہوشیاری سے حل کیا جانا چاہیے۔

ریاست میں مشکل سے کوئی ساٹے عام ہے۔ پریس بھی غملاً نا موجود ہے۔ اس
 کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت کو وہ فائدہ نہیں ہوتا۔ جو ایک حایر نکتہ بینی سے ہو سکتا
 عد ریاست کی سیاسی حیثیت کئی وجوہات سے اور خاص کر غیر افیکل پوریشن
 کی وجہ سے معمولی طور پر ہندوستان کیلئے نہایت اہم ہے۔ کیونکہ یہ تین
 سلطنتوں کی حدود پر واقع ہے۔ لیکن یہ تب تک اُس ترقی تک نہیں پہنچ سکتی
 ادولطانتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ جو قدرت نے اُسکو عطا کر دی ہیں
 جب تک حکومت اور رعایا کے درمیان زیادہ تعاون نہ ہو۔ اور جب تک
 برطانوی حکومت بھی اِس کے حایر مطالبات پر غور کر کے اِس کو اُس
 حد تک اندرونی معاملات میں آزادی عطا نہ کرے جس حد تک دوسری
 کم حیثیت اور مالیت کی ریاستوں کو حاصل ہیں۔

لوگوں کی بہت اقتصادی حالت اُن تمام برائوں کے لئے ذمہ دار ہے

جو آجکل وہاں موجود ہیں۔ اور جن کو بیخ و بن سے اٹھاٹنے کے لئے حکومت بوڑ
 قدم اٹھاری ہے۔ لیکن اگرچہ ہمارا جبکہ حکومت کے یہ اچھے سوچے ہوئے سکیم
 اُن بایوں کو ہٹانے کیلئے کچھ اثر رکھتے ہیں۔ لیکن یہ قطعاً اُن بایوں کو بیخ و
 بن سے اٹھاٹنے میں اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک لوگوں کی
 اقتصادی زندگی کو ذرا اوسخا کر دیا جائے۔

دو گائل میں لوگوں کی اقتصادی زندگی اتنی بہت ہے جتنی کہ ہو سکتی ہے
 کشمیری کاریگری اپنی اعلیٰ درجہ کی کاریگری کے لئے دنیا کے ہر حصے میں مشہور
 ہے۔ لیکن بد قسمتی سے گزشتہ چند سال کے درمیان اس کی کاریگری آہستہ آہستہ
 رو بہ تنزل ہو رہی ہے۔ اس لئے حکومت کو اُس کی امداد کے لئے کچھ کرنا چاہیے
 جس طرح کہ میو ر میں کیا گیا ہے۔

سراہین نے بتایا کہ اُس نے لوگوں کو حد درجہ کے جواب دہ اور سمجھدار
 کارکن پایا ہے۔ اگرچہ عوام ابھی بہت سچھے ہیں۔ اس اخباری بیان کے شائع ہونے
 سے ریاست کشمیر کے اندر اور باہر اُن تمام حلقوں میں جو سیاست کشمیر میں دلچسپی
 لیتے تھے۔ ایک سنسنی پیدا ہو گئی۔ اخبارات میں زبردست مقالات اور مباحثیں
 شائع ہونے شروع ہو گئے۔ کشمیری نیڈت اور سلمان اس بیان کو حرف بحرف
 صحیح قرار دیکر اپنی شکایات اور سختیات کو بیرون ریاست کے اخبارات میں
 دھڑا دھڑا شائع کرتے رہے۔ لیکن دیگر فرقہ جات نے اُن کی مخالفت کی حکومت
 کے اراکین نے بہت کوشش کی کہ سراہین بنرجی کے الزامات کو پروپیگنڈے
 کے ذریعہ دبا یا جاوے۔ اور ایسا کرنے کے لئے انہوں نے آفاقی حدیں کو جو
 اُن دنوں وزیر داخلہ کا قلمدان سمجھا جاتے تھے۔ اور وزارت میں اکلوتے کشمیری

سیرتھے۔ جموں سے سرنگر روانہ کر دیا۔ تاکہ وہاں چھوٹے چھوٹے اجلاس منعقد کر کے عوام سے رائے حاصل کرے۔ کہ جو کچھ حکومت کشمیر کے خلاف اخبارات میں شائع کر رہا گیا ہے۔ سراسر غلط ہے بنیاد اور لغو ہے۔

شیخ محمد عبداللہ پر بھی قدرتا اس اہم اخباری بیان اور اس سلسلہ میں شائع شدہ مضامین کے مطالعہ سے زبردست اثر پڑا۔ اولاً ان کے خیالات کو تقویت حاصل ہوئی۔ اور وہ سمجھنے لگے کہ جو کچھ انہوں نے لاہور اور علیگڑھ میں اپنے عزیز وطن کے متعلق کچھ رکھا تھا۔ وہ بالکل صحیح ہے۔ آپ اسی نتیجہ پر پہنچے کہ اگر حکومت کشمیر اور مدعیان انصاف کے سامنے کشمیریوں کے اصلی حالات پیش کی جائیں۔ تو شاید اس سے کوئی مفید مطلب برآمد ہو سکے۔ اسی لئے آغا سید حسین کی حرکت کو آپ نے ملک و قوم کے لئے نہایت ضرورساں خیال کیا۔ اور اس کے نتائج بد بکھور و کئے کے لئے آپ نے علیگڑھ سے ہی اس کے خلاف آواز اٹھایا اور دنیا کو بتا دیا کہ آغا سید حسین یا اس کی طرف سے مہیا کی ہوئی رائے عامہ کسی صورت میں بھی کشمیریوں کی حقیقی رائے نہیں ہو سکتی۔ اور اس پر بھروسہ کر کے حکومت کشمیر اپنے آپ کو رعایا ریاست کی ہی خواہ ثابت کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔

۱۹۲۹ء کے آخر میں لاہور میں جو کانگریس زیر صدارت پنڈت جواہر لال نہرو منعقد ہوئی اس کا آخر جو سندھوستان کے پالیٹکس پر پڑا۔ وہ دنیا کو معلوم ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پنڈت جی کی قیادت نے لو جو امان سندھ کے لوگوں میں ایک نئی روح ڈالی۔ اور ان کا خون وطن کے جوشِ محبت سے اُبلنے لگا۔ شیخ محمد عبداللہ نے دیکھا کہ کانگریس کی فتح میں وطن کے مظلوم اور مفلوک الحال کشمیریوں کی فتح ہے۔ اگرچہ وہ خود کانگریس میں شامل نہ ہو سکے۔ لیکن انہوں نے اس کی صدا کو

زور سے سنا۔ اس میں جادو کا اثر تھا۔ اب وہ بھی سوچنے لگے۔ کہ کون دن ہوگا۔ جب
 آپ وطن مالوت لوٹ کر اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگ جائیں گے
 ۱۳۰۰ء کے اپریل کی آغیر پر آپ۔ ایم۔ ایس۔ سی کا امتحان دینے کے بعد کشمیر
 واپس آئے۔ گھر میں فہ آنا و فضا کہاں سے پیدا ہوئی جس کے درمیان آپ نے
 چند سال لاہور اور ملکیٹر حد میں پرورش پائی تھی۔ وطن پہنچتے ہی آپ نے اپنے والد
 پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی سعی کی۔ لیکن آپ کے دوستوں اور خولیش واقارب
 کو ایسا کرنا منظور نہ ہوا۔ انہوں نے آپ کو سمجھایا۔ کہ اتنی تعلیم حاصل کر گئے کے بعد
 آپ کو چاہیے کہ تلاشِ روزگار کا فکر کریں۔ نہ کہ بے قاعدہ ایسے کام میں پڑ جائیں
 جس میں فتنے کے بڑے نقصان ہونے کا احتمال ہو۔ کشمیر کی سیاسی فضا ان
 عہدوں اتنی تنگ و تاریک تھی کہ ہر ایک آدمی کو شیخ محمد عبداللہ کا پروگرام ضرور
 اور یہ وہ معلوم ہوتا تھا۔ پس جب آپ کو ایم۔ ایس۔ سی کے امتحان میں کامیابی
 کی اطلاع ملی۔ تو آپ نے اپنے بزرگ سہائوں کے حکم کی تعمیل میں ملازمت سرکار
 کے لئے جتو شروع کر دی۔ سب سے پہلے آپ پھر کسی سرکاری وظیفہ حاصل کرنے
 کی کوشش میں مصروف ہوئے۔ سکالر شپ سلیکشن کے صدر سٹری کے دائرے
 سمیت۔ آپ نے ان سے ایک ملاقات کے دوران میں اپنی خواہش ظاہر کی۔ لیکن انہوں
 نے کوراجواب دیا۔ آپ حکومت کی اس بے رحمی سے نہایت مایوس ہوئے لیکن
 اُس وقت نہ تو آپ کو معلوم تھا۔ نہ کارپردازانِ حکومت کو کہ قدرت نے آپ کو
 ان معمولی وظائف سے بہت زیادہ آپ کے لئے اپنے ذخیرہ میں جمع کر رکھا ہے
 اور آپ کی عزت اس سے بہت زیادہ ہوگی جس کے لئے آپ نہیں
 سہے ہیں۔ پس کو معلوم تھا کہ وہی سیر و آملی جنہوں نے اس بے دردی سے آپ

کی درخواست کو ٹھکرا دیا۔ صرف چند ماہ کے بعد آپ کی ملاقات کے لئے راہ دیکھتے
ٹھک جائیں گے

عملی سیاسیات میں داخلہ

حکومت کشمیر نے اب دیکھ لیا تھا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد روز بروز ترقی پر ہے۔ اور اب اُن کے سرکاری ملازمت میں لئے جانے کے بڑھتے ہوئے مطالبہ کو آسانی سے روکنا ناممکن تھا۔ اس لئے اُنہوں نے قواعد و ضوابط کے گورکھ دھندوں کو ایجاد کر کے اُن کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی۔ سول سروس ٹیکر و مینٹ بورڈ نے ایک اعلان کے ذریعہ یہ بات مشہر کر دی کہ آئندہ حکومت اعلیٰ اسامیوں کے لئے نیشنل مقابلہ کا امتحان لیا کرے گی جس میں نیشنل جن کو باضابطہ کسی مضامین کا امتحان دینا پڑے گا۔ اس کے علاوہ امیدواروں کو مقابلہ میں بیٹھنے سے پہلے چند ٹریفکیٹ اپنی درخواست کے ساتھ شامل کرنی ہوں گی ایک سرٹیفکیٹ چیف میڈیکل آفیسر سے حاصل کی ہوئی چاہیے۔ جو امیدوار کی اچھی صحت کے متعلق ہو۔ امیدوار کو پچاس روپیہ فیس بھی پہلے ہی ادا کرنی پڑے گی۔ اسی کے بعد امیدوار کی عمر ۲۲ سال سے کم ہوئی چاہیے تھی۔ اُس کو اچھے خاندان کا ہونا چاہیے تھا۔ اور اگر اُس کے خاندان میں کسی موقع پر کسی فرد کو لاگ مالی بیماری نے حملہ کیا ہو۔ اُس کو امیدوار نہ لیا جاسکتا تھا۔ ان تمام روکاوٹوں کے باوجود بھی حکومت کو اختیار تھا کہ ساٹھ فیصد تک وہ خود ملازم بھرتی کرتی۔ اور باقی مقابلہ میں کامیاب ہوئے امیدواروں کو لے سکتی تھی۔ عیاں تھا کہ اُس

طریقہ سے عزیز امید دار کو اعلیٰ ملازمت میں نہایت دشوار کھتی۔ چہ جائیکہ وہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو۔ اور آسامی کسے لئے قابل۔

ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ شیخ محمد عبداللہ نے کس آزاد فضا میں اپنی سیاسی ننگ کو پروردہ کیا تھا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ کشمیری بلا متبرہ مذہب و ملت مظلومیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور ان پر جو ظلم و ستم ہو رہا تھا۔ وہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ ہندو ہیں یا مسلمان۔ بلکہ صرف اس لئے کہ وہ غلام ہیں۔ ان کو ہمیشہ ہی مٹنا کھتی کہ اپنے وطن عزیز کو تمام دنیا میں سر بلند دیکھوں۔ میں فرقہ پرستی کو قوم و ملک کے لئے لعنت سمجھتا ہوں۔ اور میں کبھی بھی فرقہ پرستی کا جرم معاف نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن ایک چالاک سیاست دان کی طرح شیخ محمد عبداللہ نے دیکھ لیا کہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت ملک میں ابھی ایسی نہ کھتی کہ غیر مسلم کسی مسلمان نوجوان کی قیادت پر بھروسہ کر لیتی۔ اور حکومت کے خلاف کسی مظاہرہ میں شامل ہو جائیں۔ اس لئے باوجود اس امر کے کہ وہ ہندو مسلمان کی تفریق کے شدید ترین مخالف تھے۔ اور اعلیٰ قیادت کو دل سے نفرت کرتے تھے۔ انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا جائے۔ ان کو اپنی اکثریت کی طاقت کا احساس دلا کر اپنے حقوق سے آگاہ کر دیا جائے انہوں نے سمجھ لیا کہ جب وہ الیا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تو پھر دوسری غیر مسلم اقلیتوں کو ملکی خدمت کے لئے اپنے ساتھ لانا آسان ہو جائیگا چند سال کے واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ شیخ محمد عبداللہ کا یہ قیاس بہت حد تک صحیح تھا۔

وظیفہ کے نہ ملنے پر مایوس ہو کر اب شیخ محمد عبداللہ کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہ رہا کہ باوجود سر پرستوں کی مخالفت کے وہ اپنے پروگرام کو عمل میں لائے انہوں نے اپنے بھائیوں سے اس کے متعلق کوئی ذکر نہ کیا۔ لیکن خفیہ طور پر چند

رفتار کی تلاش میں فکر مند رہے۔

فتح کمال سرنگر میں اُن دنوں میں ایک مسلم ریڈنگ روم تھا۔ جہاں چند نوجوان ہر روز اختیارات کے مطالعہ کے لئے جمع ہوتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے اس ریڈنگ روم میں آمدورفت شروع کر دی۔ اتفاق سے اسی سال اورنگی گریجویٹ تعلیم حاصل کر کے روزگار کی تلاش میں مصروف تھے۔ وہ بھی اس ریڈنگ روم میں وقت کو گزارتے اور تبادلہ خیالات کے لئے ایک مقررہ وقت پر جمع ہوتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کی اعلیٰ تعلیمی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے وہ تمام اُن کے عاشق اور گریوید۔ ہر رفتہ رفتہ شیخ صاحب کو اس ریڈنگ روم پر اختیاتی قبضہ حاصل ہوا۔ وہ صرف اسی تلاش میں مصروف تھے کہ کوئی موقع ہاتھ آئے تاکہ وہ حکومت اور اس کے کارندوں سے برسرِ پیکار ہوں۔

سول سروس ریکرڈنگ بورڈ کے مندرجہ بالا تازہ اعلان نے یہیم پہنچایا۔ گراپ سٹرائپ نے دیگر تعلیمیافتہ نوجوانوں پر نہایت سنجیدگی کے ساتھ یہ بات واضح کر دی کہ حکومت کشمیر نے بھرتہ کو اس مطلب کے لئے عالم وجود میں لایا ہے۔ کہ انہیں حکومت میں کسی قسم کا حصہ نہ ملے۔ اس لئے جب تک اس کے بورڈ اور اُس کے شائع شدہ قواعد و ضوابط کی شدید مخالفت نہیں کی جاتی۔ تعلیمیافتہ مسلم نوجوانوں کو کافی نقصان اور ضرر پہنچنے کا احتمال ہے۔

”مسلم ریڈنگ روم کے ممبروں نے (جس میں اب سب تعلیمیافتہ مسلم نوجوان شامل ہو گئے تھے) میرے کہنے پر ان احکام کے خلاف آواز بلند کئے جانے پر غور و خوض کیا۔ اور ستمبر کے مہینہ میں ایک عرضداشت حکومت کو پیش کرنے کے لئے تیار کر دی“

ہمارا جہاں دُن دنوں ریاست میں نہ سکتے۔ وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کرنے کی عرض سے ولایت کی تشریف لے گئے تھے۔ اور ریاست کا نظم و نسق سمجھانے اور دیگر اہم امور سلطنت کے لئے ایک کابینہ وزارت مقرر کر دی گئی تھی جس کے ممبران جنرل جنک سنگھ، مسٹر ویکفیلڈ اور مسٹر وائٹ تھے۔ اس لئے مسلم ریڈنگ روم کی عرصہ داشت اسی کابینہ وزارت کو پیش کر دی گئی۔

صفحہ کدل کا یہ ریڈنگ روم اب مسلم تعلیمات طبقہ میں کافی دلچسپی کا مرکز بن گیا تھا فتح کدل سے ایسی کو آٹھا کر مفتی جلال الدین صاحب کھانہ واقعہ دوکان نشین کے پاس لیا گیا۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے ملازمین کی نظر غنایت بھی اس کی طرف اب پڑ چکی تھی۔ اس لئے حکام بھی ریڈنگ روم اور اُس کے ممبران سے نا آشنا نہ تھے۔ ہر روز اس کھن کی حرکات و سکنات سے انسراں کو اطلاع دی جاتی تھی۔ اور اس کے کارکنوں کو شبہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

ان حالات میں جب سول سروس ریکرڈنگ بورڈ کے خلاف عرصہ داشت بنا کر دی گئی۔ ایک نوجوان گریجویٹ سہمی منشی غلام محمد بی۔ اے۔ ایل۔ بی۔ نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ غلام محمد منشی اسد اللہ ایڈوکیٹ کے بھائی ہیں۔ منشی اسد اللہ کی یادداشت سے خواجہ سید الدین شال اور خواجہ نور شاہ کی عرصہ داشت کا وہ قصہ جو انہوں نے آجہانی بہاراجہ پرتاب سنگھ کی طرز حکومت کے خلاف دائرہ سزا سزا کو پیش کی تھی بھول نہ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اُس عرصہ داشت کا نتیجہ دستخط کنندگان کے لئے کتنا ضرر رساں اور نقصان دہ ثابت ہوا۔ اُس کو یاد تھا کہ خواجہ سید الدین شال اس بنا پر جلاوطن کئے گئے تھے۔ اور خواجہ نفا شاہ کو نہ صرف وزارت سے علیحدہ کیا گیا تھا۔ بلکہ اُن کی جاگیر بھی ضبط کر لی گئی تھی۔

وہ عرصہ داشت کے نام سے لرزتا تھا۔ اس لئے اُس نے اپنے نوجوان بھائی کو
 اس عرصہ است پر دستخط کرنے سے روک لیا۔ اُس کو حکومت کے طبقوں میں
 کافی رنوخ تھا۔ اپنی لوسائیٹی میں انتدار حاصل تھا۔ وہ یہ نہ مانتا تھا کہ بلا وجہ
 نوجوان بھائی کی غلطی سے یہ تمام کھو بیٹھے۔ اور مصیبت مول لے۔ بہر حال کہ
 شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقاء نے منشی اسد اللہ کو سمجھایا کہ سال صاحب
 کی عرصہ داشت اور موجودہ عرصہ داشت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ لیکن آپ
 نے ایک نہ سنی۔ اور اس طرح یہ عرصہ است منشی غلام محمد کے دستخط کے جواباتی تمام
 گریجواریٹ مسلم نوجوانوں کے دستخط سے کابینہ وزارت کو پیش کر دی گئی۔

چند روز گزر جانے پر کابینہ وزارت کے سیکرٹری کھا کر کر تارنگہ کی طرف سے
 اس عرصہ داشت کا جواب ملا۔ کہ ریڈنگ روم کی اکھن اپنا ایک وفد پیش کرے۔ جن کے
 ساتھ کابینہ وزارت کے ممبران گفت و شنید کریں گے۔ اس جواب کے ملنے پر مقدمہ
 تاریخ پر تعلیم یافتہ مسلمانوں کی طرف سے شیخ محمد عبداللہ اور عبدالعزیز فاضل
 شہر گڑھی میں کابینہ وزارت سے مقدمہ تاریخ پر ملائی ہوئے۔

یہ ملاقات نہایت ہی اہم تھی۔ اگر حکومت کشمیر کی کابینہ وزارت کے ارکان میں
 ذرہ بھر بھی سیاست بھدانی کا کوئی شعور موجود ہوتا۔ تو وہ اُسی ملاقات میں اُن تمام
 شادات کو روک سکتے تھے۔ جو اُس کے بعد ہی سواترین سال ہوتے رہے۔
 اہالیان کشمیر اور مہاراجہ بہادر کو جن مصائب کے درمیان بتین سال تک
 گذرنا پڑا۔ اُن کے پیچ رہیم کو اُسی ملاقات میں نیست و نابود کیا جاسکتا تھا
 لیکن اُس وقت کے وزراء ریاست نے اپنی کم عقلی اور نا تجربہ کاری کا ثبوت
 اس طرح ہم پہنچایا کہ اُنہوں نے وفد کو ایسا جواب دیا جو کہ درجہ چودہ کن

تھا۔ مسٹر مکفیڈ نے ایک گھنٹہ تک تقریر کی اور یہ دکھانے کی کوشش کی کہ حکومت
سول سروس بیکرونگ بورڈ کے بنانے اور اُس کی آئین اور قواعد و ضوابط کو
اجرا کرنے میں حق بجانب تھی۔ اور اُس کو صرف اس لئے معرض وجود میں لایا
گیا۔ کہ تعلیمیافتہ طبقہ کے باہر حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ مسٹر موصوف نے وہ
تمام حذرات اور شبہات دور کرنے چاہیں۔ جو بیکرونگ بورڈ بنانے سے مسلمانوں
کے دل میں پیدا ہوئے تھے۔ اور جن کو ارکان و مذاہن کے دوستوں نے اپنی
عرصداشت میں درج کر دیا تھا۔ مسٹر پی کے وائل نے شکایت کی کہ مسلمان
ناشکر گزار ہیں۔ کیونکہ اُس نے اُن کی طرح سے حوصلہ افزائی کی تھی۔ لیکن مسلمانوں
نے بجائے شکریہ ادا کرنے کے ہمیشہ شکایات کیں۔ دلیل صاحب نے حید تعلیم یافتہ
نوجوانوں کے نام بھی بتلائے۔ جن کو انہوں نے باہر راست اکونٹ جنرل تھے
دنر میں بھرتی کر لیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ ان حالات کے باوجود بھی کیوں مسلمانوں
کو کوئی شکایت کا موقع مل جائے۔ جنرل جنک سنگھ نے زیادہ تر بانی دور قضا کی
باتوں کی ہی حمایت کی ۴

ارکان کا بیہ وزارت کی باتوں کو سننے کے بعد شیخ محمد عبداللہ کھڑے ہوئے
اور اپنی عرصداشت میں درج شدہ شکایات کے حق میں ایک موثر اور پُر زور
تقریر کی۔ جہاں آپس ضرورت پڑتی تھی۔ آپ اعداد و شمار پیش کرتے جاتے تھے
جس کے متعلق آپ نے کاغذات اپنے ساتھ لئے تھے۔ آپ نے مشیران سیاست
کو تبا دیا۔

اگرچہ آج تک حکومت کشمیر کے تمام شعبہ جات میں مڈل پاس اور اڈمٹر مینس
پاس آدمی اعلیٰ عہدوں پر کام کر سکتے تھے۔ تو کیا وجہ ہے۔ اب جبکہ

مسلمان تعلیم میں ترقی حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اُن کو ملازمت سرکار میں حصہ لینے پر ہر فرد
 قیود عائد کی جا رہی ہیں۔ آج تک حکومت کے ذمہ دار افسران ہی سنا ہے۔ کھتے کہ
 مسلمان تعلیم یافتہ نہیں تھے۔ اسی لئے اُن کو اعلیٰ آسامیاں نہیں دی جاتیں تھیں
 لیکن اب جبکہ وہ کافی تعداد میں تعلیم حاصل کر کے آگے آ رہے ہیں۔ اس کا کیا
 مطلب کہ سول سروسز اور دیگر ڈسٹنگ بورڈ کو قائم کیا جاتا ہے۔ اُس کے ذریعہ
 اہم دواروں کے لئے ایسے قوانین بنائے جاتے ہیں۔ کہ کوئی مسلمان درخواست
 نہ دے سکے۔ آخر مسلمان ریاست میں بہت بھاری اکثریت میں ہے۔ ریاست
 کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ جب تک وہ مطمئن نہیں رہ سکتا۔ حکومت کا کاروبار کیسے
 چلایا جاسکتا ہے۔ وہ کسی بیجا رعایت کی درخواست نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے جائز حقوق
 کا طلب گار ہے۔ میں آج آپ کے سامنے مسلمانان ریاست کی طرف سے نہایت
 سود بانہ گذارش کرتا ہوں۔ کہ اُن کے ساتھ انصاف کیجئے۔ وہ اور کچھ نہیں چاہتے
 شیخ محمد عبداللہ نے کابینہ وزارت کو تنبیہ بھی کیا۔ کہ اگر آپ نے
 کسی تامل سے کام لیا۔ تو نتیجہ اچھا نہ نکلیگا۔ اور وہ مسلمان جو اس وقت پر زبان
 بھیر بکریوں کی طرح معصومانہ انداز سے چل رہے ہیں۔ بیدار ہو کر برسرِ پیکار ہوں گے
 گو یہ تقریر مدلل۔ موثر اور صحیح ہے صداقت رکھتی۔ لیکن اس کا اثر شیران ریاست
 پر زیادہ نہ پڑا۔ اسی طرح سید عبدالعزیز قاضی کی تقریر بھی بہرے کاٹوں پر ہی
 پڑی۔ شیخ محمد عبداللہ کی تنبیہ کو ارکان وزارت نے محض اور ایک دل
 جلے نوجوان کی مالوسی کا شاخسانہ سمجھا۔ اور وہ اس بے حسنی اور اندہی اندر
 سلگتی ہوئی آگ کا اندازہ نہ لگا سکے۔ جو تعلیم یافتہ مسلم بیکاروں نے شہر میں
 خصوصاً اور قصبہ جات میں عموماً رگڑ رگڑا رکھی تھی۔

اس ملاقات کے چند دن بعد محمد عبداللہ اور قاضی آغا سید حسین سے ملنے گئے۔ وہاں انہوں نے اُس سے پوچھا کہ آپ واحد کشمیری مسلمان وزیر ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ آپ کے بچے ہوئے بھی مسلمانوں کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا۔ اور اُن کو ملازمت سرکار میں لئے جانے پر مزید پابندیاں عاید کی جاتی ہیں۔ تاکہ اُن کا بھرتی ہونا قریباً قریب ناممکن ہو جائے۔ اُن دو نوجوانوں نے آغا سید حسین کو چند کھری کھری باتیں سنائیں جن کو سن کر وہ قدرے شرمایا۔ لیکن سوائے اس کے کچھ جواب نہ دے سکا کہ وہ بے بس تھا۔ اگرچہ وہ ایک منسٹر تھا۔ لیکن اُس کے اختیارات اس مذروبیع نہ تھے جتنے کہ دیگر اُن منسٹروں کے جو کابینہ وزارت کے ارکان تھے۔ وہ کسی صورت میں بھی اُن کی امداد نہ کر سکتا تھا۔ لیکن جہاں تک اُس کے اپنے حکمے کا تعلق تھا وہ اُن کی شکایات سننے کو تیار تھا۔ دیگر معاملات میں وہ دخل انداز ہو نہیں سکتا تھا۔ وہ بے دست و پا تھا۔ اُس کی کچھ پیش ہنیں چل سکتی تھیں۔ اس جواب نے تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کی رہی سہی امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں میں اس تمام واقعہ سے کھلبلی تو ضرور مچ گئی۔ لیکن اُن کا لایکھ عمل کیا ہونا چاہیے۔ وہ نہ جانتے تھے۔ بلوچی انسان کے دل پر سخت صدمہ پہنچاتی ہے۔ بسا اوقات اُس کو سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ آگے قدم بڑھ سکے۔ اسوائے چند تعلیم یافتہ مسلمان دوستوں کے شیخ محمد عبداللہ کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اُس کے پاس دولت نہ تھی۔ خویش واقارب چاہتے تھے کہ وہ اس بے قاعدہ کام سے تھپسکا حاصل کرے۔ اپنے روزگار کی تلاش کرے۔ بے کار پرست پارٹی اس بلوچی کو قدرتی سمجھتی تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ دھڑائے دے دینے

کئے۔ مجمع بھی۔ وہ بہت حد تک اس مالوسی کے خواہشمند تھے۔ لیکن شیخ محمد عبد اللہ کو اس نتیجے نے اپنے ارادے پر اور بھی متغیر بنا دیا۔ اُس نے خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کہ اگر ہم نے حکومت کے اس بیطلانہ جواب کو خاموشی سے برداشت کر لیا۔ تو ہماری قوم کا مستقبل نہایت خطرناک ہے۔ اور ہم بہت مدت کے لئے حکومت کے آہنی پنجے سے کچھ جانیں گے۔ لیکن اگر ہم نے اس کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اور اپنے کاڑکی بچا پی کو مہذب دنیا پر آشکارا کر دیا۔ تو ہمیں کچھ مدت کی جدوجہد کے بعد فتح و نصیب ہونی یقینی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ہمیں بہت قربانی دینی پڑے گی۔ ہمیں سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تکلیفات اٹھانی ہوں گی۔ لیکن کوئی کھوپا ہوا حق حاصل کرنے کے لئے انسان کو ان مصیبتوں کے دورے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اُس شخص کے زندہ رہنے سے کیا فائدہ جو یہ دیکھ کر بھی کہ اُس نے ظلم پور کیا ہے۔ برداشت کر کے اپنی غلام زندگی بسر کرے۔ ایسے لوگ گروڈوں کی تعداد میں دنیا میں آئے اور چلے گئے۔ لیکن قابلِ صد ستائش اُس ہی نوع کی زندگی سے۔ جو چیز سالوں کے لئے ہی زندہ کیوں نہ رہے۔ لیکن آزاد ہے۔ اور نا انصافی اور ظلم کے خلاف جنگ لڑنا ہوا مرے۔

اس تقریر کا اثر مسلم ریڈنگ روم کے ممبران پر بہت بڑا۔ اور انہوں نے شیخ محمد عبد اللہ کو یقین دلایا۔ کہ وہ کسی بھی جدوجہد میں جو کہ وہ شروع کریں گے ان کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ نہ تو شیخ محمد عبد اللہ کو اور نہ ان تمام ممبران کو یہ امید تھی۔ کہ جو تملش وہ شروع کرنے والے ہیں کشمیر کا ناگہیر بن جائیگی۔ اور دنیا کے تمام حصوں میں اُس کی آواز سنائی دے گی۔

وہ یہ بہت کم جانتے تھے۔ کہ سول سروس ریڈیو منٹس کے خلاف جو صدائے
 احتجاج بلند کی جا رہی ہے۔ وہ ایک ایسی تحریکِ حریت کی ابتداء ہے۔ جو ریاست
 کے کونہ کونہ میں پھیل جائے گی۔ اور اگر آج تک کشمیر قدرتی مناظر کی وجہ سے
 اقوامِ عالم کی دلچسپی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اب سیاسی جدوجہد کی وجہ سے بھی
 روئے زمین پر رہنے والے تمام قوموں کی توجہ کا مرکز بن جائیگا۔ یہ نہ جانتے تھے
 بھی شیخ محمد عبداللہ نے اپنا پروگرام بنالیا۔ اور یہی اس کا سیاسی میدان میں
 کود پڑنے کا جواب بن گیا۔ ۵

ملازمت سرکار میں



ہر طرف سے مایوسی ہونے پر اب نوجوانوں کے پاس کون سا حریجہ بچھا۔
 حکومت اسکا استعمال کر سکتے تھے۔ ملک میں پریس اور پارلیمنٹ فارم کی آزادی منقود
 تھی۔ کوئی شخص کسی شکایت کو زبان پر نہ لاسکتا تھا۔ کوئی پرچہ شائع نہ کر سکتا تھا
 پوٹر کا لٹا بھی حکومت کی نظروں میں ایک کھجور سی گناہ قرار دیا جاتا تھا۔ بیرون
 ریاست کے کسی اخبار دل کا داخلہ بھی پہلے ہی حکومت نے ممنوع قرار دیا تھا۔
 ان میں مشہور مسلم اخبارات سیاست اور مسلم اوٹ لک بھی تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے
 سمجھا۔ کہ اگر اہلین حکومت کے احکام کے خلاف آواز اٹھاتی ہے۔ تو اہلین بیرون
 ریاست کے پریس کی امداد حاصل کرنی چاہیے۔ اس لئے اُس نے اپنی شکایات
 اخبار القادس کے کالموں میں شائع کروانی شروع کر دیں۔ اب یہ شکایات سول سروس
 ریکرڈنگ بورڈ کے آئین اور ضوابط قواعد کی مخالفت تک پہنچی محدود نہ تھیں۔ بلکہ
 ان کا دائرہ روز بروز وسیع ہونے لگا۔ ان میں مسلم رہنما ریاست کی تمام شکایتیں
 درج ہونے لگیں۔ اعداد و شمار دستیاب کئے جاتے تھے۔ اور ان کی بنیاد پر
 یہ دکھانے کی کوشش ہو رہی تھی۔ کہ کس طرح مسلمانوں کے ساتھ ریاست میں برطیچ
 نے ظلم پورا کیا ہے۔ کابینہ وزارت کے معزز اراکان اور دیگر افسران ریاست
 پر آزادانہ طور حملے ہو رہے تھے۔ ان کی جانبداری اور بعض اوقات ناقابلیت

پر دھڑا دھڑا مصنا میں شائع ہو رہے تھے۔ جب حکومت نے دیکھا کہ یہ سلسلہ بہت
 لمبا پوتا جا رہا ہے۔ اور اس کا بند پونا بھی کسی طرح نزدیک دکھائی نہیں دیتا۔ تو بجائے
 اس کے کہ ان مصنا میں کی بنا پر مسلمانوں کے چند جائیداد اور مادیات مطالبات
 ہی منظور کر کے مسلمانوں کے مستقبل جذبات کو ٹھنڈا کر دیا جاتا۔ حکومت نے
 دو انقلاب کا داخلہ ہی ریاست میں ممنوع قرار دیا۔ انقلاب مسلمانوں کا
 واحد و نامہ تھا جس کا داخلہ اُس وقت کھلا تھا۔ حکومت نے یہ کارروائی کی اور
 پھر خاموش رہی مسلمانوں کے نالیف قلوب کے لئے کوئی موثر قدم نہ اٹھایا گیا
 اس نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے جلتے ہوئے دلوں پر تیل کا کام کیا۔
 کشمیر میں یہ پورا ہوا تھا۔ تو جموں میں بھی ننگ سبز مسلم ایو۔ سی۔ الین نامی ایک
 انجمن نے اس قسم کی ایک تحریک شروع کر دی تھی۔ وہ بھی پنجاب کی آب و ہوا
 سے متاثر ہو کر آزادی کی راہ ڈھونڈ رہے تھے۔ ان میں بھی لاہور کانگریس
 اور مسلم لیگ و مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس کی کارروائی نے جوش بھر دیا تھا۔
 وہ بھی اپنے اہالیان وطن کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنا چاہتے تھے۔ اگرچہ اس وقت تک
 انہوں نے بھی اس سلسلہ میں بہت کام کیا تھا۔ لیکن وہ کشمیری مسلم نوجوانوں کی
 تحریک سے نا آشنا تھے۔ اور کشمیری ان کی حرکات سکناات سے بے خبر تھے
 انقلاب میں دونوں اطراف سے مصنا میں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور کابینہ وزارت
 کے ساتھ شیخ محمد عبداللہ و سٹر فاضل کی ملاقات کی خبر شہر ہوئی۔ تو ان
 کو ایک دوسرے کی ہستی کا پتہ چلا۔ اب وہ آپس میں رشتہ اتحاد پیدا کرنے کے
 در پے ہو گئے۔ ایا کرنے کے لئے ننگ سبز مسلم ایو۔ سی۔ الین جموں
 نے اپنا ایک وفد جو چند نوجوانوں پر مشتمل تھا۔ سرنگر روانہ کر دیا۔ اس میں سر عبدالحمید

قرشی میرپاسبان بھی تھا۔ اور یہ وفد سرنگر خزاں کے دنوں میں پہنچا۔ ارکان
وفد نے سلم ریڈنگ روم کے تمام ممبران کے پاس جا کر تبادلہ خیالات کیا۔
اور اپنی انجشٹات و شکایات کو فصاحت کے ساتھ اُہنیں سنایا۔ کشمیری نوجوانوں
نے اپنے مصائب کو بیان کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جموں اور سرنگر کے تعلیمی
سلم نوجوان ایک تنظیم میں منسلک ہوئے۔ اور اب سے آئندہ جو کچھ سرنگر میں ہو
رہا تھا۔ اُس کی خبر جموں والوں کو دی جاتی تھی۔ اور جو کچھ کارروائی جموں میں
ہوتی تھی۔ اُس کی اطلاع سرنگر کے نوجوانوں کو ملتی رہتی تھی۔ اس رشتہ کے
پیدا ہونے کے بعد انقلاب میں تروار مضامین متواتر شائع ہوتے تھے
اور یہی اُس کے داخلے پر مذبح کے موجب بنے۔

ادھر یہ سلسلہ چند مہینوں کے لئے جاری رہا۔ اور حکومت کشمیر کی پریشانی
دین بدن بڑھنے لگیں۔ حالانکہ کابینہ وزارت نے وقت کی نزاکت کی پرواہ نہ کرتے
ہوئے حالات کا پوری طرح جائزہ نہ لیا۔ اُدھر ۲۷ چیت گوفرائس کے ایک سٹرنکسز میں
جہا راجہ بہادر کا پہلا اولاد بہا راجہ کمار کرن سنگھ جی پیدا ہوئے۔ اس سے ریاست کے
طول و عرض میں شادیا منائے جانے لگے۔ چہ اعلان کیا گیا۔ ہذا میں حیزات تقسیم
ہوئی۔ طلباء کو سمجھائی دی گئی۔ بغض نیکہ سرکاری طور پر جس شان و شوکت سے اس فخر
کو خوش آمدید کیا جانا چاہیے تھا۔ کیا گیا۔ بہا راجہ بہادر کی خوشنودی حاصل
کرنے کے لئے کشمیر کے روسا اور امرائے بھی ایک اہم اجلاس بلائے۔
جس میں بہا راجہ بہادر کو واپس وطن تشریف لانے پر سپاس نامہ پیش کئے جانے
کے مقابلہ پر غور و خوض ہونا تھا۔

اگرچہ روسا کشمیر کی بہ بیٹنگ دوسرے کسی موقع پر کوئی زیادہ اہمیت

نہ رکھتی۔ اور روساء کے بغیر کسی غیر کی توجہ کا مرکز نہ بن سکتی تھتی۔ لیکن مسلم نوجوان
 ہر ایک بات کو سیاسی رنگت دیکر ملک میں اچھی ٹیشن پیدا کرنے کے لیے بھٹے۔
 تاکہ ان کی تنظیم سرکاری وغیرہ سرکاری حلقہ جات میں نام پیدا کر سکے۔
 ایک مقررہ دن پر نیڈت بلہ کاک درجہ کشمیری نیڈتوں میں ایک اعلیٰ رئیس
 ہیں۔ کے ہاں روسا کی مٹنگ منعقد ہوئی۔ اس مٹنگ میں جو کچھ ہونا تھا
 وہ تو حاضرین میں سے ہر ایک کو پہلے ہی معلوم تھا۔ اس کے متعلق نہ کو کسی
 کو اعتراض ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہی بحث کرنے کی ضرورت تھتی۔ لیکن جب اس
 کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہو گئی۔ تو اس کے صدر
 اور دیگر عہدہ داران کے انتخاب نے مشکلات پیدا کر دیئے۔ نیڈت بلہ کاک
 کی خواہش تھتی۔ کہ وہ صدر منتخب ہوں۔ اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے
 انہوں نے ہوشیاری سے کام لیکر مسلم و ہندو روساء کی اکثریت اپنے حق میں
 کر دی تھتی۔ لیکن چند مسلم جاگیرداروں نے جن میں خواجہ نور شاہ بھی تھے۔ کسی
 سرکاری رکن مجلس کو صدر بنانے کے خلاف زبردست تقریر کی۔ اس
 پر بہت بحث ہوئی۔ اور آخر کار نیڈت بلہ کاک ہی اس کمیٹی کے صدر مقرر
 ہوئے۔ مرزا غلام مصطفیٰ نائب صدر اور خواجہ غلام احمد عثمانی سیکریٹری
 نیڈت بلہ کاک نے روساء کی طرف سے ہمارا جہ بہادر کو مبارکباد دی کا نا بھیج دیا
 یہ خبر مسلم نوجوانوں کو ملی۔ تو وہ سیخ پا ہوئے۔ انہوں نے مسلم جاگیرداروں
 کو طعنہ دئے۔ اور انہیں اکٹھا کیا۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ غالب اکثریت
 میں ہوتے ہوئے۔ ایک غیر مسلم کی صدارت کو پسند نہیں کرنے جیسا کہ اوپر
 کہا گیا ہے۔ اس قدم کے اٹھانے سے صرف یہ منشا تھا کہ کھلی پیچ جائے

اور ایسا ہی ہوا۔

نوجوانوں نے نوجوان جاگیردار میر مقبول شاہ خانیاری سجادہ نشین کو کہا کہ وہ سلم روسار کا ایک اجلاس اپنے مکان پر بلائے۔ اس اجلاس میں قریباً دو سو آدمی حاضر تھے جن میں ایک مولوی یوسف شاہ تھا۔ شیخ محمد عبد اللہ نے ایک زبردست تقریر کی جس میں مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے زور دیا۔ اور اہلین بتایا کہ جب تک وہ خود دار نہیں بنتے۔ قوم بیدار نہیں ہو سکتی۔ اس تقریر کے دوران میں آپ نے حاضرین کو بتلایا کہ قوم کو زندہ کرنے کے لئے اگر مجھے خوفہ یار بل (قید) بھی جانا پڑے۔ تو مجھے دریغ نہ ہوگا۔ روسار کی مجلس میں ان الفاظ کا بولا جانا حد درجہ قابل اعتراض سمجھا گیا اور کئی احباب نے آپ سے التماس کی کہ آپ ان الفاظ کو واپس لے لیں۔ لیکن آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد سلم روسار کے کئی اجلاس منعقد ہوئے۔ اب مصلحت کے جاگیردار اور اکابر بھی شامل جلسہ ہوئے تھے۔ ان اجلاسوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ سلم روسار نے اپنی الگ کمیٹی بنادی۔ اور کام کے لئے فنڈ جمع کرنے کا انتظام کیا۔ سلم کمیٹی نے بھی دوسری کمیٹی کی طرح ہمارا جہ بہادر کو مبارکبادی کا تار دیا۔ اور اہلین وطن مالوف خوش آمدید کرنے کے لئے پبلک سپانسر پڑھنے کی درخواست دی۔ ہمارا جہ بہادر نے دونوں کمیٹیوں کی عرضداشت کو نامعلوم کر دیا۔ یہ ایک دانشمندانہ اقدام تھا۔

اب شیخ محمد عبد اللہ کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ دن بھر مصروفِ کار رہتے تھے۔ تنظیم پر و پیکند ذاتی میل و ملاقات۔ اعداد و شمار

کا جمع کرنا۔ تمام قومی کاموں پر نگاہ رکھنا۔ یہ باتیں اُس کے وقت پر قابض ہو گئی تھیں۔
 اُس کا گھر شہر سے پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ با اوقات رات کے بارہ بجے
 کام سے فارغ ہوتا۔ اور اُس وقت گھر کا راستہ لیتا تھا۔ اور صبح سویرے منہ اندھیر
 پھر سرنڈر چلا جاتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سرنڈر میں کہیں ڈیرہ حمائے۔ لیکن اُس کے
 پاس کوئی دولت نہ تھی جس کو وہ صرف کر کے آیا کر سکتا۔ اُس کے بھائی تو اُس سے
 پہلے ہی ناراض تھے کہ اُس نے ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کر کے کیوں کہیں
 ملازمت نہیں کی۔ اس لئے اُن سے مزید روپیہ وصول کرنا ناممکن تھا۔ وہ ابھی اتنا
 نامور بھی نہ تھا کہ کوئی اُس کی مالی امداد کرتا۔ پس اُس نے سوچ لیا کہ سحر یک کو
 جاری رکھنے اور پیٹ پالنے کے لئے کسی نہ کسی طرح سے کچھ کمانا چاہیے
 کشمیر میں تعلیم یافتہ نوجوان کے لئے کمانے کا سوائے ملازمت سرکار کے
 اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ بادل ناخواستہ اُس نے حکومت کے آتے آتے
 پر دست سوال دراز کر دیا۔

شیخ محمد عبداللہ پہلا مسلم نوجوان ہے جس نے ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری
 حاصل کی ہے۔ جب اُس نے ملازمت کے لئے درخواست دی۔ تو اُس کا بھی وہی حشر
 ہوا۔ جو اُس پہلے دو دفعہ اُس کی وظیفہ کے لئے درخواستوں کا ہوا تھا۔ اُس کو ہر طرف
 سے یہی جواب ملتا تھا کہ کوئی آسامی خالی نہیں ہے۔ اس تک دو دو میں اُس کی نظر
 محکمہ تعلیم پر بھی پڑی لیکن وہاں بھی یہی حوصلہ شکن جواب دیا گیا۔ کہ مناسب کوئی
 جگہ نہیں۔ اگر مرضی ہو تو ایک ساٹھ روپے کی آسامی گورنمنٹ ہائی سکول میں دی
 جاسکتی ہے۔ مگر کیا نہ کرتا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اُس کو بھی قوم کے لئے قربانی
 سمجھ کر اپنی پوزیشن کا مطلق خیال نہ کر کے اس آسامی کو قبول کر دیا۔ تاکہ

اس قلیل رقم سے اپنا پیٹ پال کر تحریک کو جاری رکھ سکے۔ وہ جانتا تھا کہ اُس وقت وہ ملازمت سوار نہیں بلکہ معاش ملنے کا مستحق ہے۔

اپنی دونوں میر واعظ مولانا احمد اللہ کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازہ کے ساتھ جو مامی جلوس لگا لگایا۔ اُس میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی شامل تھے۔ جلوس کے آگے لگے شیخ محمد عبداللہ اور اُن کے چند نام نوجوان ساتھی تھے۔ کچھ دن پہلے مولوی عتیق اللہ کو جامع مسجد میں میر واعظ بنانے کے لئے ایک بھاری جلسہ ہوا۔

شیخ محمد عبداللہ نے اس جلسہ میں تقریر کی جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اسلامیہ مائی سکول میں جو مامی جلسہ میر واعظ مولانا احمد اللہ کے انتقال کے سلسلہ میں منعقد ہوا اُس میں بھی شیخ محمد عبداللہ شریک تھے۔ تقریر کے دوران میں آپ نے کمیٹی کے ممبران کے متعلق چند اعتراضات کئے۔ جس پر خواجہ غلام محمد ملک نے

آپ کو سچا جھوٹا جلسہ گالیاں دیں۔ اس سے نوجوان سخت طیش میں آگئے اور خواجہ غلام محمد ملک سے برسرِ پیکار ہوئے۔ اگرچہ شیخ محمد عبداللہ کے سمجھانے سے بھجانے پر نوجوان خاموش ہو گئے۔ لیکن عوام پر واضح ہو گیا کہ معمولی سکول مارٹر نے مسلم نوجوانوں کے دل پر کتنی قبضہ کر رکھا ہے۔ ماسٹر عبداللہ اس وقت سے تعلیم یافتہ مسلمانوں کے طبقہ میں ایک نمایاں حیثیت رکھنے لگا۔

گو شیخ محمد عبداللہ گورنمنٹ مائی سکول میں ایک ماسٹر تھا لیکن جیسا کہ ہم ابھی دیکھ لیں گے۔ ملک میں حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ وہ سیاسی مکتہ نگاہ سے لائینڈ آرڈر کا محافظ بن چکا تھا۔

پہلی گرفتاری اور رہائی



انقلاب کا داخلہ ریاست میں بند کر دیا گیا۔ تو سلم نوجو الفل نے لاہور میں دوسرے اخبارات کے ڈیکلریشن داخل کر دئے۔ اور ان کو شائع کرنا شروع کر دیا۔ یکے بعد دیگرے "کشمیری سمان" "کشمیری منہوم" "مکتوب کشمیر" کے نام پر پرچے آنے شروع ہو گئے۔ ان میں وہی "انقلاب" کے نامکمل مضامین شکایات اور احتجاجات سے پر مکمل ہوتے تھے۔ اگر کشمیری مسلمانوں کو اپنے وطن کوئی اہلکار ریاست سمہردانہ طریقہ سے شکایات کو سنتا۔ تو وہ اس سب سے گراں اور غیر ذمہ دارانہ طریقہ سے انقلاب میں آرٹیکل شائع نہ کرتے۔ اور حکومت کو اس جریدہ کے داخلہ پر بندش عاید کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ "انقلاب" میں کچھ بھی بڑا اخبار ذمہ داری کے احساس کے باعث مضامین کی کانٹ چھپانٹ ہوا کرتی تھی۔ جب اس جریدہ کا داخلہ بند ہو گیا۔ اور بالکل ہی غیر ذمہ دار اخبارات نکل آئے تو انہوں نے ریاست کشمیر اس کے حکمران اور تمام افسران حکومت کے برخلاف زبردست سے زبردست پروسیگنڈا کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ جہاں تک ان سے ہو سکا ریاست کو سپاہ سے سپاہ صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا گیا جس طرح سے بھی ہو سکا۔ مسلمانان ریاست کو ان مضامین میں حکومت کے خلاف بھڑکا پا گیا۔ اب حکومت کے سامنے بھی اس کے سوا

اور کوئی جا رہ کار نہ رہا۔ کہ وہ اُن تمام نئے اخبار کو بند کرتے چلے۔ اور ان پر کڑوی نگرانی رکھی گئی۔ صحیح تو یہ ہے کہ اب افسرانِ حکومت کے پوسٹ و ہوا س باختم ہونے لگے تھے۔ وہ نہیں جانتے تھے۔ کہ اس بڑے پتے پتے سیلاب کو کیسے روکا جائے۔ اُن کو اس کے سوا اور کچھ نہ سوچتا تھا۔ کہ ہر طرح سے دباؤ کی پالیسی کو اختیار کیا جائے۔ اور جہاں کہیں کبھی کوئی تحریری تقریری مجموعی یا انفرادی مظاہرہ حکومت کے خلاف ہو۔ اُس کو فوراً دبایا جاوے۔ کابینہ وزارت یا اس سے باہر کسی ذمہ دار حاکم کا دماغ ٹھکانے نہ رہا تھا :-

ملک کی بدقسمتی سے مٹروکیفیٹ اور مٹروائل کے درمیان اقتدار حاصل کرنے کے لئے اندرونی رسہ کشی ہو رہی تھی۔ یہ دونوں والے کشمیر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا بھی کر رہے تھے۔ یہیں بھی اپنا دُھ فیمتی وقت ضائع کر رہے تھے۔ چو اُن کو ہمارے بہادر کی غیر حاضری میں رعایا ریاست کی بہتری و بہبودی میں صرف کرنا چاہئے سمجھتا تھا۔ جب ایجنٹیشن نے زور بکڑنا شروع کر دیا۔ تو اُن دونوں نے اس کی روک تھام کے لئے پیش پیش حصہ لیا۔ لوگوں کے ساتھ سمبدیدی کے لئے نہیں بلکہ اپنی قابلیت دکھانے کے لئے۔ لیکن پارٹی بازی کی وجہ سے اس میں بھی دونوں ناکام رہے۔ کیونکہ یہ سپرٹ تمام ماحلت افسران میں سرایت کر گئی تھی۔ اور اس کی بدولت کوئی بھی ذمہ دار آفیسر سوائے اپنے پائی لیڈ سے دریافت کئے بتاؤ پتہ فراموش کرنا انجام نہ دیتا تھا۔

فضائیہ بھگتی تھی۔ اس میں صرف ایک جنگاری کی صرفت تھی۔ کہ سرف
اگ تک جاتی۔ تمام نوجوان اس جنگاری کی تلاش میں تھے۔ کہ وہ اپنی

کو جموں شہر میں عید کے دن ایک ہندو سب انسپکٹر پولیس نے کسی مولوی کو اداۓ نماز کے بعد خطبہ پڑھتے پڑھتے روک لیا۔ ہندو سب انسپکٹر کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مسلمان نماز کے بعد اپنی زبان میں خطبہ بھی پڑھا کرتے ہیں۔ اس لئے جب مولوی نے اداۓ نماز میں خطبہ شروع کیا۔ جو بظاہر ایک تقریر معلوم ہوتی تھی۔ کو سب انسپکٹر نے اشارہ کیا کہ یہ بند کر دیا جائے۔ مسلمانوں نے اس کو مداحیت فی الدین قرار دیا۔ اور ہر جگہ اس کے خلاف پروٹسٹ ہونے لگے۔

اس کے چند روز بعد ہی پولیس لائینز جموں میں ایک ہندو سب انسپکٹر کا ٹیبل نے اپنے ماتحت مسلمان کا ٹیبل کو ڈیوٹی پر نہ جانے کی وجہ سے ٹوکا جب کہ وہ اپنے بسترے میں سویا پڑا تھا۔ مسلمان کا ٹیبل نے اپنے افسر کی پرواہ نہ کی۔ تو سب انسپکٹر نے اُس کے بسترے کو گول کر کے ایک کونے میں پھینک دیا۔ بد قسمتی سے اس بسترے سے ایک نچورہ گر پڑا۔ یہ خبر آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی۔ مسلمانوں کو بتایا گیا کہ غیر مسلم کے ہاتھ سے قرآن کریم کی توہین ہو گئی ہے۔

اپنی دونوں جموں کے قصبہ ڈوگھوی بھی اسی قسم کا ایک واقعہ ظہور میں آیا وہاں ایک مالاب کے جو ہندو اور مسلمانوں کے مشترکہ قبضہ میں ہے۔ مسلمان عید کے روز اسی مالاب کے کنائے نماز ادا کرتے ہیں۔ وہاں کے مقامی پولیس آفیسر کو یہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے جب اُس نے سنا کہ مسلمان اس مالاب پر نماز ادا کرنے کا انتظام کر رہے ہیں۔ اُس نے ایسا کرنے سے روک دیا۔ یہ خبر بھی آنا فانا ملک میں پھیل گئی۔ اور مسلمانوں نے اس کو بھی مذہبی لالچ قرار دیا۔

یوں تو ایسے واقعات ابتدائے آخر پیش سے چلے آئے تھے۔ اور

اب بھی سو رہے ہیں۔ لیکن سوائے چند آدمیوں کے اور کسی کی توجہ کا مرکز نہیں بنے۔
 اس قسم کی خبریں مقامی ہوئی ہیں۔ وہاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ وہاں ہی مر جاتی ہیں لیکن
 سلم نوجوان اُس وقت اُن سے سیاسی فتنوں میں آگ لگانے کے لئے چکاوی
 کا کام لینا چاہتے تھے۔ اس لئے وہ کب اُن کو مقامی خبریں پہنچاتے۔ چنانچہ
 اُن کی ہی بنا پر تمام خطہ کشمیر کو براہِ فروختہ کیا گیا۔ مسلمان ہر شہر۔ قصبہ۔ اور دیہات
 میں شتمل ہو گئے۔ اس وقت تک تحریک کشمیر تعلیم یافتہ نوجوانوں تک ہی محدود تھی
 جب اُس کو مذہبی رنگت دی گئی۔ تو گاؤں گاؤں میں بھی پھیل گئی۔ ہر طرف سے
 اسلام خطرے میں کی صدا اے جنگ پھیل گئی۔ اگرچہ حکومت نے خطہ عہد
 والے سب انسپکٹر پولیس کو معطل کر دیا۔ تو بین قرآن کریم کے معاملہ کی تفتیش کے لئے
 مسٹر کیفیلڈ کو مقرر کر دیا۔ ڈیگورٹا مالاب کے قیدی کے لئے مقامی انسپکٹر پولیس
 نے اظہارِ تاہن کیا۔ لیکن ملک کے امن کو برقرار رکھنا اب شیران ریاست
 کے بس کی بات نہ رہی تھی۔

تو بین قرآن کے خلاف بطور پولٹ گینگ منیز سلم ایو۔ سی۔ ایشن
 جموں نے ایک مشترکہ پولیٹریک کیا۔ اس کی سیکڑوں کاپیاں ریاست کے
 طول و عرض میں بھیج دی گئیں۔ سرنگرن میں یہ کاپیاں شیخ محمد عبداللہ کے پاس
 روانہ کر دی گئیں۔ آپ نے یہ پولیٹریک اپنے والٹیروں کے ذریعہ تمام شہر
 چپا کر ان کے لئے بانٹ دئے۔ لیکن جب والٹیروں نے اُن کو
 سرنگرن کے بازاروں میں چپا کرنا شروع کر دیا۔ تو پولیس کے سپاہیوں
 نے اُن کو پٹایا۔ مسٹر عبداللہ کے مکان کے نزدیک ایک والٹیر مسی محمد ایل
 نے ایک پولیٹریک کیا۔ تو پولیس نے اس کو پٹایا۔ اُس نے دوسرے چپا



خانقاہ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں شیر کشیدہ تقریباً اسی ہین

کہا۔ تو اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ پہلا آدمی ہے جو سرنگریہ سیاسی جبرائیم کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا ہے۔ اس کا گرفتار ہونا تھا کہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے یہ خبر شہر میں ایک نخت پھیل گئی کہ حکومت نے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے لوگوں کے جمع ہونے پر۔ ڈی۔ آئی جی پولیس اور انسپکٹر جنرل پولیس وغیرہ آفیسران بھی موقعہ پر آئے۔ اور لوگوں کو منتشر کر لیا گیا۔

شیخ محمد عبداللہ نے اسی وقت شہر کے کونہ کونہ میں ڈھنڈورہ بٹوایا اور اعلان کر دیا۔ کہ شام کو جامع مسجد میں ”توہین قرآن“ کے خلاف پروٹسٹ کرنے کے لئے ایک عام جلسہ ہو گا۔ اس جلسہ میں تیس ہزار سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے تھے۔ یہ پہلا عام جلسہ تھا جس میں سیاسی تقریریں ہوئیں کشمیری سلمان ماسٹر عبداللہ کے نام سے اب پوری طور واقف ہو گئے تھے۔ وہ سمجھنے لگے تھے کہ ان کے درمیان کوئی غیر معمولی ہستی پیدا ہو گئی ہے جس نے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے پر بھی اپنی زندگی کو ملک و ملت کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ لیکن انہوں نے ابھی اس کے دیدار حاصل نہ کئے تھے۔ وہ مشتاق تھے۔ اور اب اس موقعہ کے انتظار میں تھے جب وہ ان کے سامنے آجائے۔ اُس کے نام کے ساتھ اب ایک انسانہ پیدا ہو گیا تھا۔ پس جب وہ جامع مسجد کے سیٹج پر کھڑے ہو کر تیس ہزار لوگوں کے مجموعہ میں تقریر کرنے لگا۔ اور اُس کی ابتدا قرآن کریم کی ”توہین“ کے خلاف زبردست پروٹسٹ کی۔ تو لوگ دھماکے مار مار کر رونے لگے۔ آپ نے صرف توہین کے واقعہ کا ہی ذکر نہ کیا۔ بلکہ مسلمانوں کو اپنی غلامی کی یاد دلائی۔ اور انہیں اپنے پیدائشی حقوق حاصل کرنے کی تلقین کی

”جلسہ میں بہت سے ریزولوشن پاس کئے گئے۔ اور مہاراجہ بہادر سے التجا کی گئی۔
 کہ وہ مسلمانوں کی دلازاری کرنے والے املکاروں کے قتل و قتل سزا دے کر
 عوام کے مجروح دلوں پر سکین کا بھاپا رکھیں۔“۔
 جلسہ کے اختتام پر لوگوں کا آنا شیخ محمد عبداللہ کے پیچھے اُن
 کے مکان تک چلتا رہا۔ جو ایک لمبے جلوس کی شکل میں بازاروں میں ٹھونٹا رہا
 جلوس میں شیخ محمد عبداللہ زندہ باد اسلام زندہ باد وغیرہ نعرے ملتے جلتے جا رہے
 تھے۔

جامع مسجد اب مسلم نوجوانوں کی سیاسی سرگرمیوں کا اڈہ تو بن گیا۔ لیکن
 اس مسجد پر میر واعظ کا تسلط تھا۔ اس لئے اُس کا تعاون حاصل کرنا ضروری
 تھا۔ میر واعظ عظیم اللہ ان دنوں سن ہسپتال بمبئی میں سجاوٹ بیماری دراز تھے
 اس لئے اُن کی جگہ مولوی یوسف شاہ ہی نائب میر واعظ کی حیثیت سے
 جامع مسجد میں وعظ کیا کرتا تھا۔ حکومت چاہتی تھی کہ میر واعظ عظیم اللہ ان
 کے کھیندے میں پھنس جائے۔ اور مسلم نوجوانوں کو جامع مسجد میں تعمیریں کرنیکی
 اجازت نہ دے۔ ادھر سے مسلم نوجوان بھی اسی رنگ و دو میں لگے ہوئے
 تھے۔ کہ میر واعظ کو اپنی طرف کھینچ لیا جاوے۔ دونوں اطراف سے سن ہسپتال
 میں میر واعظ پر ڈرے ڈالنے کا کام شروع ہو گیا۔ نوجوانوں کی خوش قسمتی
 سے اُن دنوں اس ہسپتال میں خواجہ غلام احمد عثمانی کانسٹر خواجہ امیر شاہ بھی
 بیمار پڑا تھا۔ عثمانی ان کی تیمارداری کے لئے شب و روز وہاں رہتے
 انہوں نے میر واعظ عظیم اللہ کو نوجوانوں کے ساتھ مل جانے کے لئے
 بہتر ارادہ دیا۔ ہسپتال میں یہ جو رہا تھا۔ تو شیخ محمد عبداللہ نائب میر واعظ یوسف

کوٹی پڑھانے میں مشغول تھے۔ نوجوان مولوی یوسف شاہ نے تحریک خلافت میں حصہ لیا تھا۔ اُس کی طبیعت میں جو سن بھرا پڑا تھا۔ ملک کی فضا پر سکون نہ بھٹی۔ اُس کے دل نے چاہا۔ کہ وہ بھی اپنے اندر کے دل کو پورے کر دے۔ شیخ محمد عبداللہ کی سیٹھی گفتگو کا اُس پر زبردست اثر ہوا۔ اور اُس نے مسلم نوجوانوں کے ساتھ چل کر کام کرنے کو منظور کر لیا۔

حکومت نے جامع مسجد والے جلسہ کی کارروائی کو برا مانا یا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے اپنے دفتر میں اکابرین کی ایک میٹنگ بلائی جہیں مرزا غلام مصطفیٰ میر تقی میر مولوی شریف الدین۔ مولوی رحیم شاہ بانڈے۔ منشی اسد اللہ۔ مولوی عبداللہ وغیرہ اصحاب شامل تھے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان حضرات سے دریافت کیا کہ شہر میں سیاسی فضا کو درست کرنے کے لئے کون سی تدابیر عمل میں لائی جانی چاہئیں۔ مرزا غلام مصطفیٰ مولوی شریف الدین۔ مولوی رحیم شاہ اور منشی اسد اللہ نے اس بات پر زور دیا۔ کہ اگر شیخ محمد عبداللہ اور چند مسلم نوجوانوں کو قید کر دیا جائیگا۔ حالات بالکل درست ہو سکتے ہیں۔ لیکن باقیوں نے اس کی مخالفت کی۔ اور بتایا کہ جب تک مسلمانوں کی شکایات کا سدباب نہیں کیا جاتا۔ کوئی علاج نہیں ہو سکتا ہے۔ اس میٹنگ کی کارروائی کی اطلاع مسلم نوجوانوں کو ملی۔ انہوں نے مخالفین کے خلاف مذمت کاریریں لڑیں پاس کیا۔ جنوں میں بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اس کارروائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیا گیا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو یہ جرات نہ ہوئی۔ کہ مارٹر عبداللہ یا اُس کے رفقاء کو قید کر دے۔ لیکن اُس بحیثیت صدر تیسری کمیٹی جامع مسجد ایک

نوٹس مسجد کے دروازوں پر چپاں کر دیا۔ کہ اس کے اندر کوئی شخص بلا اجازت کوئی تقریر یا جلسہ سن کر سکتا۔

”چونکہ یہ حکم صحیحاً مذہب میں مداخلت تھی۔ ہم نے ہتھیہ کر لیا۔ کہ اس کی وجہاں فضائے آسمانی میں اڑا دیں گے۔ اور کبھی کبھی مذہبی مداخلت گوارا نہ کریں گے۔ ہم نے ایک اور جلسہ عام کا اعلان کر دیا۔

یہ جلسہ جمعہ کے روز ہوتا تھا۔ اس روز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ خود درگاہ حضرت بل میں اُن تمام روسا کو لیکر مسلمانوں کے جلسہ میں چلا گیا۔ جنہوں نے پہلی سٹینک میں ماسٹر عبداللہ اور اُس کے رفقاء کے قید کئے جانے کی سفارش کی تھی۔ یہ خبر پانے ہی شیخ محمد عبداللہ غلام سنی گلگارا اور مولوی عبدالرحیم بھی درگاہ کو پہنچ گئے۔ وہاں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس ہی کرسیوں پر بیٹھ کر مولوی رحیم شاہ باندھے۔ مرزا غلام مصطفیٰ ادینہ بھیٹے تھے۔ مسلمانوں کے اندر پہلے ہی اُن اصحاب کے خلاف جذبہ نفرت موجود تھا۔ انہوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی ایک بات کو مت تک سنا بھی گوارا نہ کیا۔ جب تک وہ وہاں حاضر تھے۔ اس لئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی تمام وہ کوششیں رائیگاں گئیں جن سے اُن کا منشا تھا۔ کہ لوگوں کو خلاف قانون حرکات سے باز رکھا جائے۔ جب شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقاء جلسہ میں پہنچ گئے۔ تو لوگوں میں بہت خوشی پیدا ہو گئی۔ اور اللہ اکبر۔ اسلام زندہ باد۔ شیخ محمد عبداللہ زندہ باد کے نعرے بلند کئے گئے۔ اُس کو مجبور کیا گیا۔ کہ وہ تقریر کرے لیکن اُس نے لوگوں کو برا من بننے کی تلقین کی۔ اور اُن سے کہا۔ کہ وہ جاسے جاسے۔ میں جے ہوں۔ جہاں کہہ دو گرام کے مطابق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

کے حکم کے خلاف احتجاجی جلسہ ہونا مقرر پایا تھا۔ یہ سنتے ہی لوگ ہزاروں کی تعداد میں بطرف سرنگر روانہ ہوئے۔ ماسٹر عبداللہ دُعا بھی اسی طرف کو چلا گیا اور چند نوجوانوں کو درگاہ والی مجلس میں کارروائی ریکارڈ کرنے کے لئے مستعین کیا۔

درگاہ حضرت بل میں اُسی روز شیخ محمد عبداللہ سے ایک غیر ریاستی مسلمان ملائی ہوئی۔ جس نے اُس کے خلوص اور کام کی بہت تعریف کی۔ اور خود بھی مسلمانوں کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اُس نے شیخ محمد عبداللہ سے پُر زور درخواست کی کہ اُس کو تقریر کرنے کی اجازت دی جائے۔ یہ آدمی سرحد کا رہنے والا تھا۔ اور ایک انگریز فوجی افسر کے ساتھ بطور پیرہ کا کام کرنے آیا تھا۔ اس کا نام عبدالقدیر تھا۔ شیخ محمد عبداللہ کی شخصیت اور ہر دلعزیزی سے اس کے جذبات پھڑک اُٹھے۔ اور اُس نے جوش کے ماتحت ماسٹر عبداللہ سے عرض کی کہ اُس کی خدمات کو قبول کیا جائے۔ شیخ محمد عبداللہ کشمیر کی سیاسیات سے اب کما حقہ واقف ہو گیا تھا۔ اُس نے جان لیا کہ اگر یہ شخص کسی قسم کی ذرہ بھر بھی خلاف قانون حرکت کرے گا۔ حکومت کا آپنی ہاتھ اُس کو کچلنے کے لئے فوراً آگے بڑھ سکے گا۔ اس لئے اُسہوں نے عبدالقدیر کو بھیجا کہ وہ اس کھیل کو دور سے ہی دیکھے۔ کیونکہ اولاً کسی غیر ریاستی مسلمان کو ریاست کی سیاسی حدود جہد میں عملاً دخل دینا واجب نہیں۔ اور ثانیاً یہ سودا اُس کے لئے بہت ہنگام پر ہو گیا۔ عبدالقدیر اس جواب کو سن کر بظاہر اطمینان قنبر کے ساتھ واپس چلا گیا۔ لیکن دوسری جمعہ کے روز وہ پھر نسیم باغ سے (جہاں اُس کے آقا کا میونس بوٹ تھا، حضرت بل آیا۔ اور جلسہ میں تقریر کر گیا۔

شیخ محمد عبداللہ جب درگاہ سے جامع مسجد میں پہنچا تو اس نے مسلمانوں کے ایک کثیر القدر مجمع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اس حکم کی دہچیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیں۔ جس کی زد سے اس نے مسجد کے اندر کسی سیاسی تقریر کرنے کی ممانعت کی تھی۔ پھر عبداللہ نے پھر اپنے خیالات کا اعادہ کیا کہ جب تک حکومت قرآن کریم کی توہین کو بنیادوں کو سزا نہیں دے گی۔ مسلمان امن سے نہیں رہیں گے۔ اور جب تک مسلمانوں کو حقوق نہیں دے جائے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ مسلمان ابھی پٹن سے باز نہیں رہیں گے۔ حکومت نے اس خلاف قانون کا یہ دانی کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ کیونکہ اب وہ یہ جانتی تھی کہ اگر شیخ محمد عبداللہ اس کے کسی ساتھی کو گرفتار کر لیا گیا۔ تو ملک بھر میں وہ آگ لگ جائیگی۔ کہ تجھے نہ جھجکی۔ لیکن پھر بھی دباؤ ڈالنے کی غرض سے انہوں نے قدم اٹھایا۔ وہ یہ تھا۔

دو میری پبلک سرگرمیوں سے حکومت مشتعل ہو گئی۔ اور حکام تعلیم نے مجھ کو سیاسی لحاظ سے مردہ بنانے اور تمام قومی و ملکی تحریکات سے علیحدہ رکھنے کی خاطر مجھ کو منظر آباد تبدیل کرنے کا حکم دے دیا۔ مگر میں نے ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دی۔ اور حکومت کو اس کے حکم کے جواب میں لکھ دیا کہ میں گورنمنٹ کا ملازم ضرور ہوں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنے دین عزیز کی توہین دیکھ کر خاموش رہوں۔ میں دیگر مسلمانوں کی طرح کبھی بھی اپنے مذہب کی توہین گوارا نہ کروں گا۔ اور اس توہین کا ارتکاب کرنے والے احکام کے خلاف صد احتجاج بلند کروں گا۔ میں نے سرکار کا ملازم ہو کر چند میٹھوں کے عوض اپنا صمیر فروخت نہیں کیا۔ اور نہ الیا کر سکتا ہوں۔

حکام متعلقہ کا فرض ہے کہ وہ میرے کام کو دیکھیں۔ اور اس بات کا خیال رکھیں کہ میں وقتِ معینہ پر اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہوتا ہوں۔ یا نہیں۔ لیکن ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے نمونہ وطنوں اور ہم مذہبوں کی اخلاقی - مدنی و معاشری حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کرے۔

حکام متعلقہ نے میری بات پر کان نہ دھرا۔ اور میں نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے اور جانتے ہوئے کہ انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ صرف ہی ہے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ میں حکام کی بدوش پر زیادہ عرصہ چپ نہ رہ سکا اور میں نے محکمہ تعلیم کو اپنا استعفیٰ بھیج دیا۔

ادھر بتایا گیا ہے کہ حکومت نے تو بہنِ قرآن کریم کے معاملہ کی تحقیقات کے لئے مسٹر وکسفیلڈ کو جموں روانہ کر دیا تھا۔ انہوں نے وہاں جا کر تحقیقات کے بعد جو رپورٹ لکھ دی۔ اُس سے انہوں نے پولیس ہیڈ کانسٹیبل کو توہین کے معاملہ میں بری قرار دیا۔ لیکن اسکی طبیعت میں اور ہونے کے باعث ملازمت سے ریٹائر کر دینے کی سفارش کی۔

مسلم کانسٹیبل کو ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ کیونکہ اس نے اپنے افسر کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی۔ جو پولیس قانون کی رو سے نہایت ہی قابلِ اعتراض ہے۔ مسٹر وکسفیلڈ کے تحقیقات کرتے ہوئے جموں کے مسلم نمائندگان سے تبادلہ خیالات بھی کیا۔ اور ان کو ہدایت کی کہ وہ اپنی رجحانات و شکایات ہمارا جہ بہادر کے پیش کرنے کے لئے چار نمائندے منتخب کر کے سرنگر روانہ کر دیں۔ تاکہ وہاں بھی مسلمانوں کے نمائندے منتخب ہو جانے پر ایک وفد سمجھوتہ کے لئے ہمارا جہ بہادر کے پیش ہو جائے۔ اس ہدایت کے مطابق جموں کے

حسب ذیل چار نمائندے سرنگر کی طرف چل پڑے :-^(۱) چوہدری غلام عباس (۲)،
 ستری یعقوب علی (۳)، قاضی گوہر رحمان (۴)، شیخ عبدالحامید
 اس تجویز کے ماتحت سرنگر میں نمائندگان کو منتخب کرنے کے لئے خانقاہ
 محلے میں مسلمانوں کا ایک عظیم جلسہ منعقد ہوا۔ یہ جلسہ کئی وجوہات سے نہایت ہی اہم
 تھا۔ اس سے پیشتر کبھی ایسا جلسہ منعقد نہ ہوا تھا۔ اس میں مسلمانوں کے تمام فرقوں
 نے حصہ لیا۔ اس میں مرد اور عورتیں شانہ بشانہ شریک تھیں۔ لہذا جو ان سن ریڈ بولٹوں
 کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ ماسٹر عبداللہ کی سیاسی دانشمندی اور تدبیر کا
 بہت سے اعلیٰ نمونہ تھا۔ اس روز تک میر واعظ یوسف شاہ کبھی خانقاہ محلے
 میں نہ آیا تھا۔ جب تمام ذی عزت اور سربراہان و دروہ مسلمان جلسہ میں پہنچ
 چکے تھے۔ اور میر واعظ احمد اللہ مہدانی کے علاوہ مولوی عبداللہ وکیل بھی
 پہنچ پر پہنچ چکے تھے۔ ماسٹر عبداللہ میر واعظ یوسف شاہ کو خوش آمدید کرنے
 کے لئے خانقاہ محلے کی دیوڑھی تک آگے نکلے۔ میر واعظ کے آتے ہی
 حاضری جن کی تعداد اسی ہزار کے قریب تھی۔ کھڑے ہوئے اور جھک جھک
 کر سلام علیک کرنے لگے۔ شیخ محمد عبداللہ مختصر سکین پر معنی تقریر کی۔
 جس میں آپ نے جلسے کی غرض و غایت لوگوں پر واضح کر دی۔ آپ نے حاضرین
 کو بتایا کہ مسلمان قوم بیدار ہو رہی ہے۔ اور اپنے پیدائشی حقوق کو ڈھونڈا
 رہی ہے۔ اس وقت موقع ہے کہ ہم آپس میں مل کر ایک دوسرے کی اُنت
 کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اس موقع پر ہم نے حنفی۔ شیعہ۔ سنی۔ مرزائی۔ دہلوی
 وغیرہ تفرقات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور اس پاک زیارت میں اکٹھے
 ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی تقریر میں پڑتان کشمیر سے اپیل کی کہ وہ بھی قوم

کے حقوق حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کا ہاتھ بٹائیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہیں۔ اور مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ وہ بیدار مغز ہیں۔ اور ملکی مصیبتوں کا استیصال کرنا جانتے ہیں۔ کاش وہ مسلمانوں کے خلوص کو جان کر ان کے ساتھ سادہ وطن کی آزادی کی پاک تحریک میں سہارا ساتھ دیں۔ اس تقریر کے بعد میر واعظ یوسف شاہ نے اپنے جنم کے حریف مولوی عبداللہ کے ساتھ ہاتھ ملا یا۔ اور اعلان کر دیا۔ کہ چاہے آج تک آپس میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو درمیان کچھ بھی رشتہ رہا ہو۔ اب آئندہ اسلام کی ننگ و ناموس بچانے اور اسلامیات کشمیر کو حقوق دلانے کی خاطر ہم آپس میں ایک ہو رہے ہیں۔ اور مرتے دم تک ایک رہیں گے۔ وہ کافر اور بے ایمان ہے۔ جو اس میں ٹخنہ ڈالے۔ میر واعظ سہیلانی احمد مولوی عبداللہ نے میر واعظ یوسف شاہ کی تقریر سے متفق ہوتے ہوئے اپنی وفا داری اور خلوص دل کا اظہار کیا۔ اس کے بعد مفصلہ ذیل سات نمائندوں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ جن کے نام سرعشائی نے پڑھ کر سنا دیے۔

(۱) خواجہ سید الدین شال۔ (۲) میر واعظ یوسف شاہ۔ (۳) میر واعظ احمد اللہ سہیلانی۔ (۴) آغا سید حسین شاہ جلالی۔ (۵) خواجہ غلام احمد عشائی۔ (۶) شیخ محمد عبداللہ۔ (۷) مفتی شہاب الدین۔

جلبہ کے برخاست کہونے کے بعد نمائندے زیارت کے ایک مکان میں چائے نوش کرنے کے لئے چلے گئے۔ عبدالقدیر جو اس وقت حاضرین کی صف میں بیٹھ کر اس جلے کی کارروائی دیکھتا تھا۔ پھر جذبات سے متاثر ہوا اُس نے ذمہ دار کارکنوں کو دھڑا دھڑا کرتے دیکھ کر اپنے دل کی چاہ پوری کر دی۔ اور اٹھ کر حکومت اور منبہ دزل کے خلاف زہرا گل ڈالا۔ اُس نے

اپنی تقریر میں لوگوں سے کہا کہ ہمیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے لاکھوں
اور پھروں سے بھی کام لینا پڑے۔ تو پرواہ نہ کریں۔

۱۷ جولائی کے پہلے مہینے میں بارش کثرت میں ہونے کی وجہ سے کشمیر
میں سیلاب آگیا۔ اس لئے لوگوں کی تمام توجہ اسی طرف تبدیل ہو گئی۔ شہر میں غنیمت
دہر اس چھایا گیا۔ اور ایچی ٹیشن عارضی طور پر بند ہو گئی۔ جونہی سیلاب اتر گیا حکومت
نے عبدالقدیر کو خالقہ محلے کی تقریر کے لئے گرفتار کر لیا۔

گوپا یہ جنگ کے لئے ایک اشارہ تھا۔ چند دنوں سے مخفیہ جذبات
بھر بھرک اُٹھے۔ اور مسلمانوں کے اندر ایک بہتی رو جاسی ہو گئی۔ جس نے
اُن کو پہلے سے کئی گنا زیادہ مشتعل کر دیا۔ حالات پر قابو پانے کے لئے ۱۷ جولائی کو
مشیران ریاست نے ہمارا جہ بہادر کی طرف سے ایک شاہی اعلان کروایا۔ اس
میں رعایا ریاست کے تالیف قلوب کا کوئی سامان موجود نہ تھا۔ اس عالمگیر تحریک
کو فرقہ دارانہ جھگڑا قرار دے کر برہنہ اثرات کا نتیجہ بتایا گیا تھا۔ ”توہین قرآن“
اور ”توہین خطبہ“ وغیرہ وقوعہ جات کے متعلق کہا گیا۔ کہ اُن کا بڑا طوفان
بنایا گیا ہے۔ اور اُن کے متعلق غلط خبریں حدود ریاست کے اندر اور باہر
شہور کی گئی ہیں۔ شاہی اعلان میں ایسے عجیبے درجے تھے۔ کہ تحریک کا فائدہ اُٹھانے
زیادہ اثر نہیں ہے۔ پولیس کو یقین دلانا چاہتا ہوں۔ کہ اُن کے ذہن
کی انجام دہی میں میں اور میری حکومت اُن کا ساتھ دیں گے۔ قانون کا
وقار ہر صورت میں قائم رکھا جائے۔“ وغیرہ شاہی اعلان میں ایسے
نیک خیالات کا اظہار بھی کیا گیا تھا۔ جو ایک سمجھدہ حکمران کے شایان
تھے۔ لیکن اُن پر کبھی عمل نہ ہوا تھا۔ ہمارا جہ بہادر نے فرمایا تھا۔ کہ

میری رعایا کا ادنیٰ سے ادنیٰ انسان میرے پاس براہِ راست اور آزادی سے آ سکتا ہے۔ اور میری رعایا کو جو شکایات ہوں۔ وہ ذاتی طور پر میرے پاس پیش کر سکتے ہیں۔ میں اس بات کا قائل نہیں ہوں کہ محض رعب کی خاطر صحیح کارروائی نہ کی جائے۔ کیونکہ میرے پاس مصطفیٰ کا روای قوت کا اظہار ہے۔ نہ کہ کمزوری کا۔" سہ

شاہی اعلان نیک ارادوں سے پڑھا۔ اس میں دو گونہ پالیسی آشکارا تھی۔ محبت کے ساتھ خوف بھی دیا گیا تھا۔ ممکن تھا۔ اگر ایسا اعلان چند ماہ پیش کر دیا گیا ہوتا۔ تو مسلمانوں کے لئے باعثِ تسکین ہوتا۔ لیکن اب حالات بالکل مگرڑ چلے ہوئے تھے۔ شاہی اعلان میں کوئی خاص مراعات عطا نہ کئے گئے تھے۔ مسلمان اس سے ذرا بھر بھی مطمئن نہ ہوئے۔

عبدالقدیر کی گرفتاری کی خبر سن کر مسلم نوجوانوں نے جامع مسجد میں پروٹسٹ مینڈ کا اعلان کر دیا۔ اس جلسے میں شیخ محمد عبداللہ اور اس کے رفقاء نے مسلمانوں کو حکومت کے خلاف خوب بھڑکایا۔ انہیں بتایا کہ امپکاران ریاست تمہارے ساتھ سمبر دی رکھنے والوں کو ادھیں بونپنا چاہتی ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ہر ایک قربانی دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ شیخ محمد عبداللہ نے جہاں مسلمانوں کو حکومت سے بظن کرادیا۔ وہاں انہیں بھرپور یقین کی کہ غیر مسلموں خاص کر کشمیری نڈتوں کے ساتھ تمہیں ہر طرح سے برا دراندہ سلوک کرنا چاہیے۔ اور ان کو اپنے بھائی سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ وہ بھی اسی غلامی کا شکار ہوئے ہیں جیچن کا کہ تم۔ آپ نے تفریق ختم کرنے سے پہلے حاضرین کو بتا دیا کہ یہ ان کی آخری ملاقات ہے۔ کیونکہ اب حکومت ان

کو گرفتار کئے بناہیں رہے گی۔ عبدالقدیر کے خلاف عدالت میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں باہر صحن کے اندر جمع ہونے لگے۔ باوجود پولیس کی حفاظت کے تصادم اور فساد پیدا ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا۔ اس لئے حکومت نے احکام جاری کر دیے۔ کہ اس مقدمہ کی کارروائی سنٹرل جیل کے اندر پوشیدہ طور پر (in camera) کی جائے۔ جب ۱۲ جولائی کے روزیہ احکام شائع ہوئے۔ تو مسلم نوجوانوں نے گاؤں گاؤں کی مسجدیں جلسہ کا اعلان کر دیا۔ اس جلسہ میں پوشیدہ طور کارروائی کئے جانے کے خلاف نیرنگوں پاس کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریر میں پھر حکومت کی پالیسی پر کڑی نکتہ چینی کی۔ اور ساتھ ہی لوگوں کو تنبیہ کی۔ کہ وہ سنٹرل جیل نہ جائیں۔ نہ کسی قسم کا فساد پیدا کریں جس سے ملک میں بد امنی پھیلے۔ آپنے لوگوں کو سمجھایا کہ وہ جیل میں جانے کے لئے تیار رہیں۔ اور حکومت کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے ہر ایک قربانی دیں۔ لیکن جو بھی موہڑا من طریقہ سے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی غیر دانشمندانہ حرکت سے ایک بنا بنا یا کھیل بگڑ جائے۔

فضا مکر ہو چکی تھی۔ لیکن حکومت پھر بھی سمجھ رہی تھی۔ کہ حالات پرسکون ہو سکتے ہیں۔ ۱۳ جولائی کے روز عبدالقدیر کے مقدمہ کی سماعت سنٹرل جیل میں ہوئی تھی۔ باوجود شیخ محمد عبداللہ کے تنبیہ کے ہزاروں مسلمان جیل کی طرف چل پڑے اور جیل صحن کے باہر کھڑے رہے۔ سیشن جج کے آنے پر کئی مسلمانوں نے کوشش کی کہ وہ بھی جیل صحن کے اندر چلے جائیں۔ کئی چلے بھی گئے۔ مولوی عبداللہ ملزم کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کرنے آیا ہوا تھا اُس نے لوگوں سے کہا۔ کہ یا تو وہ واپس چلے جائیں۔ یا پڑا من طریقہ سے

باہر بیٹھے رہیں کہ جیل کے اندر جانا ممنوع ^{بعد} قافلوں سمیت۔ یہ سُننے پر لوگوں نے جیل
 دروازے پر حملہ کرنے کی بجائے باہری رہنے پر اکتفا کیا۔ اس کے چند منٹ بعد
 ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جس کو فون پر ہجوم کے قابل اعتراض رویے کی اطلاع دی گئی تھی
 پہنچ گیا۔ اُس نے ڈیوٹی پر تعینات شدہ پولیس انسپران سے دریافت کیا کہ جن
 آدمیوں نے جیل صحن کے اندر جانے کی کوشش کی تھی۔ اُن کو کیوں اُسی وقت
 زیر حراست نہ لیا گیا۔ اور یہ کہ حکم دیا کہ اُن کو اب گرفتار کیا جائے۔ پولیس افسران
 نے چند آدمیوں کو ہجوم سے گرفتار کر لیا جس سے ہجوم پھڑپھڑا اٹھا۔ اور گرفتار شدہ
 آدمیوں کے پیچھے دوڑنے لگا۔ اب حالات بہت ہی خطرناک صورت اختیار
 کر گئے۔ ہجوم نے اپنی جان بھٹلی پر رکھ کر دروازے کے اندر جانے کے لئے
 دھاوا بول دیا۔ اور مطالبہ کیا کہ گرفتار شدگان کو رہا کر دیا جائے۔ اور انہیں عبدالقادر
 کے مقدمہ کی کارروائی دیکھنے کی اجازت دی جائے۔ پولیس نے ہجوم کو روکنے کی
 بہتیری کوشش کی۔ لیکن اُن کی ایک نہ چلی۔ ہجوم نے پتھر پھینک دئے ڈسٹرکٹ
 مجسٹریٹ نے فائر کا حکم دیا۔ گولہ بکٹ اور برٹش ریڈیڈنٹ کے نوٹیفیکیشن کی
 رو سے ہجوم نے پولیس گارڈ کے گوارٹروں کو آگ لگا دی۔ گولی چلائے
 جانے سے نو آدمی مارے گئے۔ اور چالیس کے قریب زخمی ہو گئے۔ لیکن
 جب زخمیوں کو ہسپتال لیا گیا۔ تو زخمیوں میں سے وٹاں کٹی مر گئے۔ ۲۶ جولائی
 کے روز دیکھا گیا کہ جیل کے سیدے میں گولی چلائے جانے سے کل اموات
 ۱۲ واقع ہوئی ہیں ^{۱۲}

جیل کا ہجوم منتشر ہوا۔ لیکن اُن کے دل میں بدلہ لینے کا جذبہ پیدا ہو گیا
 حکومت سے دُہ کیے بدلہ لے سکتے تھے۔ لیکن حکومت اُن کے سامنے

سند و کا دوسرا نام تھا۔ کیونکہ گنج سند و تھا۔ ڈسٹرکٹ میجر ٹیٹ سند و تھا۔ پولیس سند و اور
 فوج کے سپاہی ڈوگرہ سند و تھے۔ بہار اجمیلہ در سند و تھا۔ اس لئے ہجوم نے سمجھ لیا
 کہ یہ سند و نے اُن پر گولی چلائی ہے۔ سنہم ہجوم شیخ محمد عبداللہ کی وہ نصیحت بھول گیا
 کہ سند و ہماری طرح غلام ہے۔ اور سرکاری افسر کا کوئی مذہب نہیں۔ دہ شینری کا
 پڑزہ ہے۔ سنٹرل جیل سے ہجوم بہار گنج کی طرف چلا گیا۔ شہر میں ہڑتال ہو چکی تھی
 مسلمانوں نے سہاروی کے طور پر اور سند ووں نے خوف کی وجہ سے :-

حکومت کے ناقابل اہلکاران دباؤ کی پالیسی جانتے تھے۔ لیکن ان سے
 پیدا ہونے والے خطرناک حالات پر قابو پانا نہیں جانتے تھے۔ ہجوم نے اپنے ساتھ
 دو شدید زخمی بھی لے لئے۔ جن کو بہار گنج تک آگے آگے پہنچا یا گیا۔ ان زخمیوں
 کو دیکھ کر لوگ ہر طرف سے متعلق ہوئے جاتے تھے۔ جب ہجوم پوہی کدل کے نزدیک
 سند و علاوہ قے میں پہنچا تو سند ووں نے دو کانات بند کر دیے۔ لیکن بتایا جاتا ہے
 کہ ایک پنجابی سند و نے دوکان کھلا سی رکھا۔ اور جب مسلمانوں نے اُس کو دوکان بند
 کرنے پر مجبور کیا۔ تو اُس نے پروٹسٹ کیا۔ اور چند طیش آور کلمات بھی کہے
 اس پر کسی نے سختی کی۔ کہ سند و دوکانداروں کو لوٹ لیا جائے۔ کئی مہینہ
 مسلمانوں نے ایسا نہ کرنے کی درخواست بھی کی تھی۔ لیکن مشعل عنصر کا غلبہ
 ہونے کی وجہ سے اُن کی پیش نہ چلی۔ اور سند و دوکانوں کے دروازے توڑ کر
 مال و اشیاء لٹ لیا گیا۔ یا زمین پر پھیر دیا گیا۔ اس طرح نو شہرہ میں سند و
 دوکانوں کو دھپناگ میں سند و گھروں کو لوٹ لیا گیا۔ یہ حال مین گھنٹے تک
 رہا۔ اس عرصہ میں حکومت کی شینری حرکت میں نہ آ سکی۔

شیخ محمد عبداللہ اپنے مکان پر تھے۔ اور اُن کو اس معاملہ کی اطلاع

خبر نہ تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ جب اُنہوں نے لوگوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ نٹرل
 جیل جانے سے احتراز کریں۔ اُن کو خود بھی وہاں نہ جانا چاہیے۔ دفعتاً چند
 والنیر جیل کا ماجرانا نے کے لئے پلٹتے کانپتے آپ کے مکان پر آئے
 وہ دل جس نے آج تک کسی سے خوف نہ کھایا تھا۔ دھڑکنے لگا۔ اور آپ محسوس
 کرنے لگے کہ تحریک کشمیر کے اندر نامور پیدا ہو گیا۔ اور جس بات کا حدشہ
 تھا۔ وہی ہو کر رہی۔ آپ نے عبدالرحیم کو چوم کے شانت کرانے اور اس
 کو وہ فعل سے باز آنے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن معاملہ تو اب عبدالرحیم
 کی کسی بھی ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اُس نے صرف لاشوں
 کو جامع مسجد میں بھجوا دیا۔ اور خود واپس چلا آیا۔

حکومت نے شہر میں فوج تعینات کر دی۔ لوٹ کے سلسلہ میں ۳۳۴ آدمی
 کو گرفتار کر لیا گیا۔ جس میں سے ۲۱۴ آدمی وجوہات نہ ملنے کی بنا پر رہا کر دیے
 گئے۔ لوٹ کی وجہ سے منہجبت مشغل ہو گئے تھے۔ اور ہر ایک مسلمان کو
 بلا وجہ گرفتار کر دیا ہے تھے۔ تحریک کشمیر فرقہ دارانہ فسادات کا رنگ سحرط
 کسی شیخ محمد عبداللہ اور اُس کے رفقا جامع مسجد کی طرف چلے گئے جہاں
 اب سب نعشیں جمع کر لی گئیں تھیں۔ لوگ بھی مسجد کے اندر ہزاروں کی تعداد
 میں جمع تھے۔ مسلمان لاشوں کا جلوس نکال کر اُنہیں دفن کرنا چاہتے تھے۔
 لیکن حکومت اُن کو الیا کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس لئے رات
 کو لوگ اور لاشیں مسجد کے اندر ہی رہیں۔ اسی رات کو حکومت نے جموں سے
 آمدہ تین نمائندوں چوہدری عباس۔ قاضی گوہر۔ اور مستری یعقوب کو گرفتار
 کر لیا۔

۴ جولائی کے روز جامع مسجد کو ملٹری نے گھیر لیا۔ اور برگیدیر لینڈر سجد کے اندر چلا آیا۔ آتے ہی اُس نے دریافت کیا۔ کہ عبد اللہ کون ہے۔ اور اُس کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد شیخ محمد عبد اللہ کو ایک ملٹری لاری میں بٹھا کر بادامی باغ چھاؤنی میں لایا گیا۔ جہاں اُس کو کوارٹر گارڈ کے کمرے میں رکھا گیا۔ جہوں کے نمائندے یہاں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

ملٹری کوارٹر گارڈ میں قیدیوں کے لئے نہ کوئی کتہرا تھا نہ کپڑے۔ اس لئے جب رات آگئی۔ تو اُنہوں نے اپنے کوٹ فرین کی اینٹوں پر پھیلانے۔ اور اُن سے بسترہ کا کام لیا۔ جویتوں کو نکال کر اُن کو سر لانے کی جگہ رکھ لیا۔ کھانا جو دیا گیا۔ وہ بالکل ناقصی بخش تھا۔ لیکن وہ سب اس کے لئے تیار تھے۔ اسی روز غلام بنی گلگاری کو بھی گرفتار کر کے اس جگہ لایا گیا۔ شاہی قیدی ابھی اس بات کے لئے دل ہی دل میں شکر سجا لائے تھے۔ کہ اُن کو کچھ بھی اس مصیبت میں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ کہ جیل کو ملٹری کا دروازہ کھلائے اُن کو حکم نہ لایا گیا۔ کہ کشمیری قیدی جہوں قیدیوں سے الگ کر دے جاویں۔ یہ بات شاق تو ضروری گذری۔ لیکن سرحد بادامی باغ کے مصداق شیخ محمد عبد اللہ اور غلام بنی گلگاری دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

۵ جولائی کو عبد الرحیم بھی گرفتار کر کے بادامی باغ لایا گیا۔ اور کشمیری قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا۔ اب ان کے لئے بسترے کا انتظام ہونے لگا تھا۔ لیکن خوراک اچھی نہ ملتی تھی۔ جس پر شیخ محمد عبد اللہ کی تجویز سے شاہی قیدیوں نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ اس کا حکومت پر بڑا اثر پڑا۔ اور حسب منشا خوراک ملنے کے احکام جاری کر دئے گئے۔

شہر میں فرقہ دارانہ فسادزدن پر شروع ہو گئے۔ نو بازار میں لوگ جمع ہو گئے۔ فساد کا خطرہ لاحق ہوا۔ تو فوج نے گولی چلائی جس کی وجہ سے پانچ مر گئے۔ اور ہندو زخمی ہوئے۔ کسی جگہ بھی دو آدمیوں کو جمع ہونے نہیں دیا جاتا تھا خوف ہراس اٹنا پیدا ہو گیا تھا۔ جو احاطہ تحریروں سے باہر تھا۔ کالج۔ سکول۔ بینک۔ فائر پوسٹ آفس سب بند ہو گئے تھے۔ ہر جگہ مکمل شرمالی تھی۔ وچاننگ کے پاس ہی ہجوم نے فوج سے بندوقیں چھین لیں جس سے پھر گولی چلائی پڑی۔

اخبار نویسوں کے نامہ نگار کا بیان ہے کہ لوگ گھروں کے اندر سترے تھے لیکن باہر نہیں آ سکتے تھے۔ کسی قسم کی ترکاری بھی کھانے کے لئے نہ ملتی تھی۔ باس کی ڈاک سرنگ نہ پہنچتی تھی لیکن تقسیم سنکی جاسکتی تھی مٹن اور بارہمولہ میں بھی فساد ہو گئے۔

وادے کشمیر کے تمام شہر قبضوں اور گاؤں گاؤں میں مکمل پٹر پال کر دی گئی۔ مسلمانوں نے شیخ محمد عبداللہ اور اس کے رفقاء کی گرفتاری کے طور پر۔ ہندوؤں نے خوف کی وجہ سے، ہندو مسلم علاقہ سے نہ گزر سکتا تھا۔ اور مسلمان ہندو علاقہ سے نہ گزر سکتا تھا۔ وادی کشمیر میں آٹیا دہاں سے واپس لکھنا ناممکن ہو گیا۔ ۲۷ جولائی تک جموں و سرنگر کے درمیان ٹریفک بند رہا۔ تین ہندو لائے گئے اور ۱۴۲ زخمی ہوئے۔ حکومت نے فسادات کی وجوہات جاننے۔ اور آئندہ ان کا سبب کرنے

کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا۔ جس کے تین ہائی کورٹ جج ان کے علاوہ دو غیر سرکاری ممبر بھی نامزد کئے گئے۔ مسلم ممبر مولوی عبداللہ وکیل بنایا گیا۔ لیکن اس نے تعاون سے انکار کیا۔ اس کے بعد خواجہ غلام احمد عثمانی اور خواجہ سعید الدین شال نامزد کیے گئے لیکن انہوں نے بھی استعینے پیش کیا۔ کیونکہ ہر طرف سے

یہی مطالبہ پورا ہوا تھا۔ کہ جب تک شیخ محمد عبداللہ اور اس کے رفقاء رہا نہ گئے
جائیں۔ سلمان کسی بھی کام میں تعاون نہ کریں گے۔

تواریخ کشمیر میں یہ پہلا موقع تھا۔ جب لوگوں نے ہڑتال کر کے
کاروبار بند کر دیا تھا۔ آج تک صدر و شاہی خاندان میں ماتم ہو جانے پر ہڑتال
کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اب ایک فوجی کمانڈر کے لئے مکمل ہڑتال کر دی گئی۔
تھی۔ اور ہڑتال بھی ایسی تھی۔ کہ روز بروز دکانوں کا کھولا جانا مشکل تر بن جاتا
تھا۔ حکومت کے انسپرنے بہتر انداز درگاہ کیا۔ کہ لوگوں کے اندر جوش و خروش
جائے۔ اور وہ اپنے کام میں جب معمول لگ جائیں۔ لیکن ایسا نہ ہوتا تھا۔ نہ ہوا
شہریں و الیہ۔ ان کے جلوس۔ بچوں کے جلوس۔ اور عورتوں کے جلوس کی خبریں
لحہ بہ لہہ ہر طرف سے آرہی تھیں۔ لاکھ چار ہت دفعہ ہوئے۔ دفعہ ۱۲۴ نافذ کر دیا
گیا تھا۔ لیکن عکاس کی ہر طرف سے خلاف ورزی ہو رہی تھی۔ جب لوگوں سے
پوچھا جا رہا تھا۔ کہ وہ کیوں ہڑتال کر بیٹھے ہیں۔ اور وہ اس کو کب کھولیں گے
تو ہر طرف سے یہ جواب ملتا تھا۔ کہ جب ماٹر عبداللہ کو راکر دیا جائیگا۔ اور وہ حکم دے گا
ان حالات کے درمیان حکومت نے شیخ محمد عبداللہ کو باقاعدہ بدع میں عہدہ
لکھنا خانی از حظارہ نہ سمجھا۔ ان کو اندیشہ پیدا ہوا۔ کہ کہیں عجوم کسی وقت چھاؤنی پر
بھی دھواؤں بولے۔ اس لئے ۲۰ جولائی رات ایک سبھے کے قریب شاہی
تبدیلیں کو مست بند سے بیدار کیا گیا۔ اور انہیں ایک ملٹری لاری میں بٹھا کر
قلعہ ہری پور کی طرف لے گئے۔ رات کی اس اندھیری میں بھی جب خاموشی نے
ظالم پر اپنا تسلط چھایا تھا۔ حکومت نے عبداللہ کی ہر و خیزمی کے خوف سے
پانچ لاکھ لاری ہری پور تک سڑک کی دونوں جانب فوج کے سپاہیوں

کو بند و قید کی سختیاں بردھائی تھیں۔ ہاری پر پربت پہنچ کر شاہی قیدیوں کو بچے
 اُتار آگیا۔ اور ان کے دونوں بازوؤں میں پھکڑیاں پہنائی گئیں۔ ہاری پر پربت
 کی چوٹی پر جب وہ قلو کے اندر داخل ہوئے۔ تو سب ایکٹر پولیس نے کشتیری
 قیدیوں کو جموں کے قیدیوں سے الگ کر دیا۔ اور ایک اندھیری کوٹھڑی
 کے دروازے پر جا کر دریافت کیا کہ اب کون سے اندرجانا چاہتا ہے۔
 اس سمیت ممکن بات کو سن کر ان نوجوانوں کے حوصلے پست ہو گئے و
 سمجھنے لگے کہ اب آخری وقت آن پہنچا ہے۔ اور ان کو ایک ایک کر کے
 اُس کوٹھڑی کے اندر گولی سے اڑا دیا جائیگا۔ اس لئے پولیس آفیسر نے
 اُن سے پوچھ لیا ہے کہ کون اندرجانا چاہتا ہے۔ شیخ محمد عبد اللہ نے
 یہ حالت دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو مخاطب ہو کر کہا: ”دنیا میں ان ان
 کو ایک نہ ایک دین مرنا ہی ہوتا ہے۔ پس اس بات سے ایساں ڈالے نہیں
 ڈرا کرتے۔ کہ ہم آج مرتے ہیں۔ کہ کل ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ ہم
 اپنی زندگی کو قوم پر ہمارے لیے۔ اور سبک کر غلاموں کی طرح نہیں
 مرتے۔ مجھے پوری امید ہے کہ اس قربانی سے ہمارا وہ مقصد پورا ہو
 گا۔ جس کے لئے ہم نے اپنی تحریک کو شروع کر رکھا ہے۔ اس تقریر کے بعد
 قیدی قیدیوں کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ اور پھر غلام بنی
 گلغار نے جہات سے کام لیکر بتا دیا کہ دوستو مرنا دنیا میں ایک ہی دھنہ
 ہے بڑا دلی کی طرح زندہ رہنے سے دلاور کی موت مرنا بہتر ہے۔ میں سب
 سے پہلے اندرجانا چاہوں۔ آپ میرے پیچھے آئیں۔ تنگ دل سب ایکٹر
 پولیس یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لیکن ان عزیز مومنوں کے نکلنا ک

رفع کرنے کے لئے ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالنا تھا۔ غلام بنی اندر گیا۔ تو
 صبا ان کے پڑنے دوسرے آدمی کو اندر جانے کے لئے کہا۔ اس سے غلام بھی
 دور ہو گئی۔ اور قیدی سمجھ گئے کہ وہ گولی سے اڑائے جانے کے لئے نہیں
 بلکہ قید کرنے کے لئے اندر بھیجے جا رہے ہیں۔ کوٹھڑی تاریک تھی دروازے
 کے سوا کوئی اور روشندان نہ تھا۔ زمین گیلی تھی۔ بسترے کا کوئی انتظام نہ تھا
 یہاں بھی کشمیر کے قیدی جموں کے قیدیوں سے الگ رکھے گئے
 سردی کی وجہ سے رات کو شیخ محمد عبداللہ بیمار ہو گیا۔ اور صبح اُن کے
 علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر بلا یا گیا۔ بہاراجہ بہادر نے احکام جاری کر
 دیے کہ شاہی قیدیوں کو حرب مشا خوراک وغیرہ ملنا چاہیے۔

باہر کیا ہو رہا تھا۔ اس کے متعلق قیدیوں کو کچھ علم نہ تھا۔ اُن کو
 اخبارات مطالعہ کے لئے ملا کرتے تھے۔ لیکن ان میں کشتیر کی خبریں کاٹ
 دی جا یا کرتی تھیں۔ لیکن وہ اپنے نشے میں مست تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ ہم نے
 اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اُن کے اخلاق حسنہ سے فوج کے ڈوگرہ ہندو سپاہی بھی
 اُن کے گرویدہ بنے۔ اور اُن کی آرام و آسائش کے سامان مہیا کرنے میں دلچسپی
 کا اظہار کرتے تھے۔ مفصلات سے جو اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ وہ بطرح سے
 حوصلہ شکن تھیں کوئی قصہ نہیں تھا۔ گاؤں نہیں تھا جہاں لوگ متعل نہیں
 ہوئے تھے۔ ”سنگم پل جو سرنگر سے ۴۵ میل کے فاصلے پر جموں جانے والی
 سڑک پر واقع ہے۔ ایک رات کو نذر آتش کر دیا گیا خیال کیا جاتا تھا کہ یہ
 ایک باقاعدہ کارستانی کا شاخسانہ تھا۔ کئی ہندو زخمی کئے گئے“

مسلمان تو اراکین حکومت کے خلاف تھے ہی۔ ہندوؤں نے بھی

ہمارا راجہ بہادر کو شیران حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تاریخیں اور قراردادیں
بھیجی شروع کر دیں۔ ہندوؤں کے دلوں میں یہ خیال شعل ہوئے لگا کر ریاست
میں فسادات فسادات مٹر دیکھنے کی شرارت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے کشمیری
نڈتوں نے ہمارا راجہ بہادر سے پُر نور پہلی کی کہ اس کو وزارت سے ہٹا دیا جائے
چنانچہ ہندوؤں کی دلجوئی کی خاطر اس کو اپنے عہدہ سے سبکدوش کیا گیا۔

ہمارا راجہ بہادر نے اب دیکھ لیا کہ موجودہ شیران ریاست میں سے
کوئی شخص بھی اتنا قابل نہیں کہ حالات پر قابو پاسکے۔ اور ملک میں امن قائم کر
سکے۔ دہ بڑا لٹوی حکومت کی مداخلت نہیں چاہتے تھے۔ ان کی ابتداء ہی رائے رہی
ہے کہ جہاں تک ہو سکے۔ اپنی رعایا کی دلجمعی سے حکومت کی جائے۔ اور ایسی
دجوات نہ پیدا ہونے پائیں جن سے حکومت ہند کی امداد حاصل کرنی پڑے۔
لیکن شیران حکومت کی لاپرواہی اور ناقابلیت سے گورنمنٹ کی کشمیری کے پرنس
ڈھیلے پڑ گئے۔ ان کو مضبوط کرنا ضروری تھا۔ اس لئے انھوں نے کسی قابل اور
تجربہ کار آفیسر کی تلاش کی جو حکومت کے مندر شیرازہ کو یکجا کر سکے۔ ان کی نظر راجہ
ہری کشن کول پر پڑی۔ اور اس کو ۲۵ جولائی کے روز ابتدا میں حضور مندر مقرر کیا
لیکن بعد میں وزیر اعظم کے نہایت ہی خاوار اور ذمہ دار عہدے پر مامور کر دیا۔

راجہ ہری کشن کول نے جب عہدے کا چارج لیا۔ تو کشمیری سب داور بہت
سے خیر خواہان ریاست جو ان کے گذشتہ کارنامے نمایاں کو جاننے تھے یہ بہت تلاش
ہوئے۔ ان کو یقین ہوا کہ اب کشمیر میں آنا فانا امن قائم ہو جائیگا۔ لیکن ان کی یہ
امیدیں بار در ثابت نہ ہوئیں۔ کیونکہ حالات ریاست میں اس قدر بگڑ چکے تھے
کہ ان کا سنبھالنا کوئی آسان معاملہ نہ تھا۔ راجہ ہری کشن کول نے بہتیری کوشش

کی کہ وہ اپنے فرائض کو بوجہ احسن پورا کر دے۔ اور ہر ایک فرقے منصفانہ سلوک ہو۔ لیکن صرف اُن کا شمری ہڈت ہونا۔ اُن کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرتا رہا۔ بلکہ اُن کے ارد گرد چند سرکاری اور غیر سرکاری شخصیتیں تھیں۔ جن کے شورہ پر چاکر وہ ب اوقات غلطی کھا جایا کرتے تھے۔ تو اُن کا کام بگڑ جاتا تھا۔

راجہ سری کشن کول نے چارج لیتے ہی دو گونہ پالیسی اختیار کی۔ اُس نے دیکھا کہ مسلمانوں کو دیا جانا آسان کام نہیں۔ وہ اس وقت اتنے مشغول ہو چکے ہیں کہ اپنی جان بھیلی پر رکھ کر میدان کارزار میں نکل پڑے ہیں۔ اور وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کتنی جاہلین اس جنگ میں تلف ہو جائیں گی۔ اس نے انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ نمائندگان سے سمجھوتہ کی کوشش کی جائے۔ ایسا کرنے کے لئے اس نے مختلف ذمہ دار آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے یہی جواب مل گیا کہ محمد عبداللہ اور اُس کے دیگر رفقاء جو ماری پرست کے مخلوق ہیں جس طرح کہہ سکتے ہیں۔ اور کوئی نہیں۔ شہر اور قصبہ جات میں پرتال بدستور تھی۔ دیہات سے اطلاعات نا اسیدی کے سوا اور کچھ ظاہر نہ کرتی تھیں۔ جو فوج ہر جگہ تعینات کی گئی تھی۔ لیکن یہ صاف تھا کہ فوج کے ہٹائے جانے کی دیر ہے کہ ملک میں ایک زبردست انقلاب رونما ہو گا اور فوج کو کتنے عرصہ کے لئے ملک میں بھپانے رکھا جاسکتا تھا۔ ایسا ہی بھی حکومت کے لئے قابل ستائش کام ہو سکتا ہے۔ جو فوج کے خوف سے قائم رکھا جائے۔ ان باتوں کو وزیر مخور رکھنے پر راجہ سری کشن کول مجبور ہوا کہ قلعہ ماری پرست کے اندر سمجھوتہ ڈھنڈھے۔ ایسا کرنے کیلئے اُس نے خواجہ نوشاہ نقشبندی

تخصیلا۔ خواجہ غلام احمد عثمانی۔ سیر دا عظیم و سرفراز۔ مولوی عبداللہ اور
 بندت رکھنا سمجھ سٹو کھیلدا رکوشا ہی قیدیوں کے پاس روانہ کر دیا۔ تاکہ ان کو
 رہا کرنے سے پیشتر اس بات پر رضامند کیا جائے کہ وہ حکومت کے خلاف
 کوئی تقریر نہ کریں گے۔ اور ملک کے امن کو درہم و برہم نہ کھیں گے۔
 جب یہ حضرات قلعہ کے اندر چلے گئے۔ تو انہوں نے قیدیوں کے
 سامنے یہ شرائط رکھ دیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے صاف صاف بتا دیا کہ وہ اس
 شرط پر نکلنے کو تیار نہیں۔

”ہم نے کبھی کوئی غیر آئینی کام نہیں کیا۔ نہ ہم ایسا آئیدہ کرنے کا
 خیال رکھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں سے انصاف کیا جائے۔ اور ان
 کو جو حقوق بحشت شہریوں کے ایک ملک میں حاصل ہونے چاہئیں۔ ان کو
 مل جائیں۔ اگر بے پراس طریقہ سے مطالبات کا حاصل کرنا۔ یا ان کے لیے جینج و
 پکار کرنا خلاف قانون ہے۔ تو ہم اس جرم کے مجرم ہیں۔ اور ایسا ہر وقت کرتے
 رہیں گے۔“ باقی قیدیوں نے بھی شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ اتفاق کیا۔
 ایک طرف یہ پورا ہوا تھا۔ تو دوسری طرف راجہ سری کشن کول نے شاہی
 اعلان کروا دیا جس میں درج تھا۔ ”جو تکہ چنڈ گمراہ ہوئے بد معاشوں نے
 لوٹ دمار غارت گری و قتل کر کے سرنگ میں فنا دہر پاس کئے ہیں۔ اور
 شہر کے امن کو برہم کر دیا ہے۔ جسے کہ فادات کو بدستور کیلئے فوج کی امداد
 حاصل کرنی پڑی۔ اور چونکہ دیہات میں بھی ایسے ہی بد معاشوں کی حرکات
 کی اطلاع موصول ہوئی ہے۔ اس لئے ہمارا راجہ بہادر نے اعلان فرمایا
 ہے۔ کہ ان کی رعایا جو فطرت سے ہی امن پسند ہے۔ ان اثرات بد سے محفوظ رہے

گناہ کو ترک کر دے۔ اور پُر امن شہریوں کی طرح رہے۔ جس طرح وہ آج تک رہتے آئے
 ہیں اُن کو تہنیت کی جاتی ہے۔ کہ ہمارا جہ بہادر کی حکومت ایسے ذرائع اختیار کر رہی ہے
 جس سے چھپے واقعات کا سدباب ہو سکے۔ اور مستقبل میں بھی کوئی حادثہ پیش نہ
 آئے۔ اور تمام قانون شکنی کے خلاف سخت کارروائی کی جاوے گی۔
 اس شاہی اعلان کا لفظا بہر کوئی اثر نہ ہوا۔ ہڑتال جاری رہی۔ جلسے۔
 جلوس اور دیگر مظاہرے ملتے جلتے رہے۔ اور یہ صاف دکھائی دینے لگا کہ ملک میں امن
 کی ضرورت ہے۔ تو محمد عبداللہ اور اُس کے ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے۔
 جب قیدی کسی طرح سے بھی کوئی (Under Taking) دینے
 پر راضی نہ ہوئے۔ تو حکومت نے یہی غنیمت سمجھا کہ وہ ایک سٹوری لکھ دیں جس میں راج
 ہو کہ وہ کسی غیر آبائی طریقہ پر اپنے مطالبات کے لئے جدوجہد نہ کریں گے
 البتہ ان میں قیدیوں کو کوئی غدر نہ تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ان کو حکم آگست
 کے روز رہا کر دیا گیا۔

دوسری گرفتاری اور رہائی

نشاہی قیدیوں کی رہائی مسلم نوجوانوں کی پہلی فتح تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اس رہائی سے مسلمانانِ کشمیر کو کوئی سٹھوس فائدہ حاصل نہ ہوا۔ اُن کی اقتصادی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اُن کی رنجشات و تکایات بدستور رہیں۔ اُن کی تعلیمی سہتی ویسی ہی رہی۔ اُن کے نوجوان جو تعلیم یافتہ ہو چکے تھے۔ ملازمت سرکار سے ویسے ہی محروم تھے۔ جیسے کہ اس سے پیشتر۔ لیکن اب اُنہوں نے حکومت اور غیر مسلم فرقوں پر یہ ثابت کر دیا۔ کہ مسلمان اتحاد کی بدولت ہی صرف اس ملک میں کئی حقوق حاصل ہیں۔ جن سے وہ محروم نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ حکومت ہمیشہ کے لئے اُس کو بھلا نہیں سکتی۔ نہ اُس کی آواز کو بائے استحقار سے ٹھکرا سکتی ہے۔ مسلمان۔ وہ مسلمان جن کو بیرہن کشمیر ستو کے حقارت آمیز نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ جس کے ساتھ اپنے وطن میں بے زباں بھڑے بکریوں کی طرح سلوک کیا جاتا تھا۔ اب ایک رسم بن گیا۔ اُس کو خوش کرنا اُس کی رائے کو جائز و قوت دینا ضروری اور لازمی ہوا تھا۔ یہ ایک انقلاب تھا۔ جو دیکھتے دیکھتے ملک میں بپا ہو گیا۔ اُس کے سموطن جانتے تھے۔ کہ اُن کو خفگی کی حالت سے بیدار کرنے والا ایک مذہبِ خدا ہے جس نے سب سے پہلے اس پر خطِ وادی میں قدم رکھ کر جملہ مصائب کا مقابلہ کرتے ہوئے۔ اُن کے لئے سب کچھ قربان کر

دیا تھا۔ اُس کے رفقا رکار اس حقیقت سے واقفیت رکھتے تھے کہ شمش
 کی ابتداء سے لیکر اُس وقت تک جب وہ قلعہ کی چار دیواری سے رہا ہو کر آئے
 وہ جس کے پائے استقلال نے اُن کی شہرت میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ جس نے
 موت کو سامنے دیکھ کر بھی اپنے مقصد وحید کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا
 وہ ایک شیخ محمد عبداللہ تھا۔ اب اُس کو ماسٹر عبداللہ کہہ کر پکارنا اُس کی بہنیں
 اپنی بے عزتی تھی۔ اس لئے لاکھوں لوگوں کے اس ستارے کو اُنہوں نے بل کر در
 شہر شہیر کا لقب اپنے دل کی گہرائیوں نے نکال کر دے دیا۔ شہر کی گلیوں
 کو چوں میں مغلوں کے باغوں کے اندر۔ گادوں کے سبز زاروں پر۔ دریائے جہلم
 کے کناروں پر۔ قبضوں میں۔ شہروں میں بنوں میں۔ اور جنگلوں میں۔ عرض کیا۔ ریاست
 کے چپے چپے میں اب شہر شہیر شیخ محمد عبداللہ کا ذکر حیر ہو رہا تھا۔ لوگ اُس کے
 دیدار کے شائق تھے۔ جنہوں نے قید ہونے سے پہلے بھی دیکھا تھا۔ وہ بھی پھر
 الیے عاشق ہو گئے تھے۔ گویا اُنہوں نے دیکھا بھی نہ تھا۔ سچ پوچھتے تھے۔ قلعہ میں چند یوم
 قیام کرنے سے اُس کی شخصیت انسانی جامہ چھوڑ کر روحانی لباس میں ملبوس ہو چکی
 تھی۔ عورتیں۔ مرد۔ اور بچے راہ چلتے یا گھر کا کام کرتے شہر شہیر زندہ باد
 کے نعرے لگاتے تھے۔ اور لطف اٹھاتے تھے۔ کشمیری سنڈت بھی جو لوٹ
 کی وجہ سے آپ سے نفرت کرنے لگے تھے۔ یہ دیکھنا چاہتے تھے۔ کہ وہ
 کونسی ہستی ہے جس نے خفتہ کشمیر کو دیوں کے اندر جگا دیا۔ آپ کا مکان ان حالات
 کے درمیان ایک زیارت گاہ بن گیا تھا۔ اور لوگ سینکڑوں تکی لعدا دیں بشوق
 دیدار آنے شروع ہو گئے۔

۲۰ اگست کی شام کو جامع مسجد میں شیخ محمد عبداللہ کی رانی کے

بعد پہلی تقریر سننے کے لئے جو خلقت جمع ہو گئی تھی۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس کی تعداد تیس ہزار سے کم نہ تھی۔ ”شیر کشمیر“ کے مصنف نے لکھا ہے۔ کہ ملاوت، قرآن شریف کے بعد شیخ صاحب نے حاضرین سے کہا :-

”مسلمانوں کو یہ امانت ورثہ میں ملی ہے۔ کہ مصیبت کا صبر کے ساتھ مقابلہ کریں۔ انبیاء علیہم السلام کے مصائب اور صبرِ یوسف کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جبل میں بھی مجھے آپ لوگوں کی ہی فکر تھی۔ اور ڈرتھا کہ اپنی سادگی اور کئی تعلیم کی وجہ سے آپ کسی پھندے میں نہ پھینا لئے جائیں۔ شہداء کے خون نے ہماری تحریک کی بنیادیں پتھر سے زیادہ مضبوط بنا دی ہیں۔ اور ہم ہمارا جہاد کے وفادار ہیں۔ اور ہمیں چاہئے کہ انہیں بجا تکلیف دیں۔ لیکن ہم اپنے مطالبات پیش کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کریں گے خواہ اس کے عوض ہمیں تختہ کار پر ہی کیوں نہ پھینکا جائے“

حکومت کشمیر نے شیخ محمد عبداللہ کو رٹا کرنے کے وقت یکم اگست کو مقصد ذیل بیان شائع کر دیا۔

”پچھلے مہینہ سے سنگرا اور ریاست کے حالات رو بہ ترقی ہیں۔ بدھوار ۲۵ جولائی کے روز دو کات کھل گئے۔ اور لوٹ شدہ دوکانات کے سوا جنکی مرمت ہو رہی ہے۔ باقی حالات حسب معمول ہیں۔ یقیناً جات سے بھی تسلی بخش اطلاعات موصول ہو رہی ہیں۔ بہت سی تاریں جن میں وفاداری کے جذبات اور خدمات پیش کی گئی ہیں۔ موصول ہوئی ہیں۔ جاگیرداروں نے اپنے آپ کو ہمارا جہاد کی ذاتی خدمات کے لئے بھی پیش کیا ہے۔ منہ واد رسلم جاگیرداروں کی مشترکہ میٹنگ میں انہوں نے درخواست دی ہے جیہیں لکھا ہے۔ کہ وہ خلاف قانون حرکات کے دبانے کے لئے ہر طرح امداد دینے کے لئے تیار ہیں۔

کشمیر کے تین اور جموں کے تین آدمیوں کو جو ۱۲ جولائی کے فسادات کے سلسلے میں گرفتار کئے گئے تھے۔ ہمارا جہ بہادر کے حکم سے اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں گے جس سے بد امنی پھیلنے کا اندیشہ ہو۔ با مختلف فرقہ جات کے درمیان جذبہ نفرت پھیلے۔ انہوں نے امن کے قائم کرنے کے لئے وعدہ دیا کہ چند مسلمانوں نے ہمارا جہ بہادر کے پاس گذارش کی ہے کہ ان کو چند معروضات پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ ہمارا جہ بہادر نے ۴ اگست کو ان کا وفد پیش ہونے اور ان کی معروضات سننے کے لئے مقرر کر دیا ہے۔

ہم حکومت کے اس بیان پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ کہ یہ کس حد تک صحیح حالات پر مبنی تھا۔ اور اس میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ وہ صرف عوام کو دھوکا دینے کے لئے درج کئے گئے تھے۔ لیکن یہ بنا دینا ضروری ہے۔ کہ حکومت نے اس بیان کے آخر پر جن چند مسلمانوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ کوئی بھی نہ تھے۔ بلکہ شاہی قیدیوں نے رہا ہونے سے پیشتر اس بات پر زور دیا تھا کہ اگر حکومت ان کو صرف اس وجہ سے رہا کرتی ہے۔ کہ مسلمان باہر حین لینے نہیں دیتے۔ اور اس رہائی سے حالات پر سکول ہو جائیں گے۔ تو یہ ایک ناٹش غلطی ہے۔ کیونکہ جب تک مسلمانوں کے مطالبات منظور نہ کئے جائیں گے۔ ملک کی حالت بدستور مخدوش رہے گی۔ حکومت نے اس کے جواب میں انہیں کہا تھا۔ کہ وہ رہا ہو کر اپنی معروضات ہمارا جہ بہادر کے گوش گزار کر دیں۔ ان پر ہر طرح سے سمبارد نہ غور ہوگا۔ انہیں نے اس کے لئے ۴ اگست مقرر کر دیا گیا تھا جس دن راجہ ہری کشن کول نے انہیں ایک وفد ہمارا جہ بہادر کو پیش کرنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن ۷ اگست کے روز دو مسلم نمائندوں نے راجہ صاحب کے پاس جا کر استفسار کیا کہ یہ

تاریخ بدل دی جائے۔ اُن کو چند دن اور فرصت ملے۔ اس عرصہ ارشاد کو بند نظر رکھ کر ہمارا جہ بہادر نے ۱۰ اگست کی تاریخ مقرر کر دی۔

۱۱ جولائی کے بعد ہی اُن تمام مسلمانوں نے جو سیاریات کشمیر کے ساتھ بالواسطہ یا بلا واسطہ کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے مسلمانان کشمیر کے ساتھ سمہر دی کرنے اور اُن کو ملی۔ قلمی اور اخلاقی امداد ہم پہنچانے کی غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی تھی اس کا نام آل انڈیا کشمیر کمیٹی ہے۔ اس کمیٹی کے جملہ ممبران میں مرزا بشیر محمود احمد اور سر محمد اقبال کے نام قابل ذکر ہیں۔ کچھ تو حکومت ہند کی مسلم نواز پالیسی کی وجہ سے اور کچھ دلیسی کی حکومت کی ناقابلیت کو اقوام عالم پر ظاہر کرنے کی نیت سے اینگلو انڈین پریس نے اس کمیٹی کو بہت امداد دی۔ اور ہمارا جہ بہادر اور اُس کے ارکان حکومت کے خلاف شدید تر پروپیگنڈا کیا جن کو روکنا حکومت کشمیر کے لئے بہت مشکل بن گیا۔ اس پروپیگنڈا کو جس ایک طریقہ سے روکا جاسکتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے جائز مطالبات کو منظور کیا جانا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم ابھی دیکھینگے راجہ ہری کشن کول کی حکومت نے اس طریقہ کار کو عمل میں نہ لایا۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا کام دیکھتے دیکھتے اہم بن گیا۔ اور یہ کمیٹی مسلمانان کشمیر میں خصوصاً اور مسلمانان ہند میں عموماً ہر دلعزیز بن گئی۔ اس کمیٹی میں قادیانی بھی ممبر تھے۔ اور غیر قادیانی بھی لیکن اس کے صدر مرزا بشیر محمود احمد تھے۔ اس لئے مسلمانان پنجاب کا وہ طبقہ جو قادیانیوں کے مذہبی عقاید سے اختلاف رکھتا تھا یہ پروپیگنڈا کرنے لگا۔ کہ کشمیر کمیٹی کے زیر سایہ کام کر کے قادیانی کشمیر میں مذہبی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ مرزا صاحب کے ایک مکتوب نے جو انہوں نے مسلمانان عالم کے نام لکھی تھی۔ اس خیال کو لغویت دی۔ اور احرار یوں نے

ماہ اگست کے اندر مسلمانان کشمیر کو امداد دینے کی غرض سے اپنا علیحدہ نظام بنا دیا۔ قادیانی آئینی ہائیڈ پر کام کرنے کے خواہشمند تھے۔ لیکن احرار میمنوں نے کسی وقت کانگریس کے ساتھ مل کر کام کیا تھا۔ ریاست کشمیر میں وائسروں کے جتنے بھیج کر حکومت کشمیر کو مطالبات منظور کرانا چاہتے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ کی رائی کے بعد کشمیر کمیٹی نے مہاراجہ بہادر کو ایک تار دیا کہ ان کے وفد کو کشمیر آنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ کشمیر کے حالات بخیر مشاہدہ دیکھ لیں۔ اور پھر مسلمانان عالم کو تسلی دے سکیں۔ مہاراجہ بہادر نے اپنے ایک شاہی اعلان میں فرمایا تھا کہ ریاست کے باہر کے جو اصحاب ہیں۔ چاہے وہ ہندو ہوں یا مسلمان ان سے میری استدعا ہے کہ وہ میری ریاست اور میری رعایا کے معاملات میں کسی طرح دخل نہ دیں۔ جیسے کہ میں ان کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتا نظام سیاسی کی تمام بنیاد کمزور ہو جاتی ہے۔ اگر ایک سیاسی فرد دوسرے کے اندرونی حالات میں دخل دے رہے

اس اعلان کے زیر نظر کشمیر کمیٹی کو جواب دیا گیا کہ حالات پر قابو پا لیا گیا ہے۔ تحقیقات جاری ہے۔ ایک وفد کا اس موقع پر آنا جو ہن کو از مسدود پھیل گیا۔ مہاراجہ بہادر انہیں کرتے ہیں کہ وہ آپ کی عرضداشت کو منظور نہیں کر سکتے۔ حکومت کشمیر کا یہ جواب دانشمندانہ تھا۔ لیکن راجہ ہری کشن کول کی دو گونہ پالیسی نے مسلم نوجوانوں کے دل میں شکوک پیدا کر دیے۔ ایک طرف سے جہاں وزیراعظم نے شاہی قیدیوں کو رہا کر دیا اس کے اپنے حین تدبیر کا ثبوت بہم پہنچایا۔ دہاں اُس نے کئی ایسے طریقے اختیار کئے جس سے اس لبرل پالیسی سے پیدائندہ نتائج سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ دیا۔ شیخ محمد عبداللہ

اور اُس کے رفقاء کو رہا کرنے کے بعد بھی حکومت کشمیر نے اُن تمام قوہین کو جاری رکھا۔ جو کہ ایچی ٹین کو دبانے کے لئے یکم اگست سے پہلے نافذ کئے گئے تھے۔ شہر میں دفعہ ۱۴۴ برابر چل رہا تھا۔ کرنیو آرڈر کو نہ ہٹایا گیا۔ دیگر سیاسی قیدی جو صرف پولیٹیکل جبرائیم میں زیر حراست لئے گئے تھے۔ ابھی قیدی چاؤپوری کے اندر ہی بند تھے۔ اور اُن تمام ملازمین سرکار کو جو ایچی ٹین کے سلسلے میں برخاست مغل یا تنزل کئے گئے تھے۔ بحال نہ کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ اور دیگر مسلم نمائندگان نے حکومت سے التجا کی کہ اگر حالات کو سد ہاز مقصود دیتے۔ اور حکومت مستقل امن قائم کرنے کی خواہشمند ہے۔ تو مطالبات کو سننے سے پیشتر ان ہنگامی باتوں پر دھیان دیا جائے۔ لیکن وہاں صدر برنجاست والا مقابلہ تھا۔ جس سے مسلم نوجوان دل برداشتہ ہو گئے۔ اور شیخ محمد عبداللہ نے پھر قہر کا سد شروع کر دیا۔ جن میں حکومت سے اس معاملہ کے متعلق زبردست شکایات کی جاتی تھیں۔

ان حالات کے درمیان مسلم نمائندگان نے وفد کی صورت میں ہیاراجہ بہادر کے پیش ہونا اچھا نہ سمجھا۔ وہ جواب دینا بھی دانشمندانہ نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے جیسا کہ پہلے مقرر ہو چکا تھا۔ ۱۰ اگست کو بھی وفد ہیاراجہ بہادر کی خدمت میں پیش نہ ہوا۔ ارکان وفد نے تاریخ کے متعلق علامہ ظاہر کی رائے

اپنی دلوں ہیاراجہ بہادر نے سر تیج بہادر سپرو اور لانا ابوالکلام آزاد کو کشمیر آنے کی دعوت دی۔ شیخ محمد عبداللہ اور چند مسلم نوجوان مولانا سے ملاقی ہوئے۔ اور اپنی تمام رام کہانی اُہنی نانی۔ کشمیر نے اس قوم پرست لیڈر سے بتا دیا۔ کہ ہم کانگریس کی طرح اس ملک میں اپنے پیدائشی حقوق

ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اگر کانگریس کا کام پاک ہے۔ تو بہار اکیس طرح اپاک ہو سکتا ہے۔ ہم ہر ایک فرقہ اور ہر ایک ذمی نفس کے لئے انصاف چاہتے ہیں۔ مولانا آزاد نے ان نوجوانوں کو رہنمائی کی کہ وہ اپنے مطالبات تیار کر کے حکومت کے پیش کریں ڈاکٹر محمد عالم بھی تفریح طبع کے لئے کشمیر آئے ہوئے تھے۔ جب نوجوان آپ سے ملے۔ تو آپ نے بھی ان کے ساتھ سمدر دی ظاہر کی۔ اور انہیں کہہ دیا کہ وہ ممبر ریل تیار کریں۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے ۱۴ اگست کو ہندوستان بھر میں کشمیر ڈے منانے کا اعلان کر دیا اس روز کشمیر کے کونے کونے میں جلے ہوئے جہن میں گولی سے اڑائے گئے لوگوں سے سمدر دی ظاہر کی گئی۔ اور حکومت کشمیر اور حکومت ہند پر زور ڈال دیا گیا۔ کہ مسلمانوں کے مطالبات پورے کئے جائیں۔ ۱۵ اگست کو سلم نائیڈگان ایک وفد لیکر بہار راجہ بہادر کے پیش ہوئے انہوں نے گولیاں حضور ممدوح کو ایک ممبر ریل بڑھ کر سنایا۔ جس میں اظہارِ وفا داری کے بعد راجہ ہری کشن کول کی تقرری پر مایوسی ظاہر کی اور یہ درخواست کی کہ بہار راجہ نے اپنے وزیر کو سلم رعایا کے لئے فضا کو صاف کرنے کا حکم دیں۔ تاکہ مطالبات پیش کئے جا سکیں۔ لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی تھی۔ اس کا جواب جو ملا۔ وہ یہ تھا کہ راجہ ہری کشن کول پر بہار راجہ بہادر کو کامل بھروسہ ہے۔ اور وہ اس میں تبدیلی کرنے کو ہرگز پسند نہیں فرماتے اس جواب سے سلمان پھر دل برداشتہ ہوئے۔ اور نوجوانوں نے اپنی تقریر بازی کا سلسلہ از سر نو شروع کر دیا۔

جب راجہ ہری کشن کول نے دیکھ لیا کہ مسلم نوجوانوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کئے بنا حالات پر کابل قابو نہیں پایا جاسکتا ہے۔ تو اس نے اپنے ایک بار سوخ سلمان دوست سردار شاہ کو کشمیر آنے کی دعوت دی۔ آپ کی موجودگی میں راجہ ہری کشن کول کی کوٹھی پر مسلم نمائندگان اور حکومت کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا۔ جس کی شرائط یہ تھیں۔

مسلم رعایا کی طرف سے استدرار نامہ

(۱) جو ایچی ٹیشن آج تک جاری تھی۔ بالکل بند کر دی جائیگی یعنی مساجد یا کسی مذہبی مقام پر عام جلسہ میں ایسی تقریر نہ کی جائے گی کہ جس سے حکومت یا راجہ بہادر کی رعایا کے کسی فرقہ کے خلاف جذبہ نفرت پھیل جائے۔

(۲) جامع مسجد اور دیگر مساجد اور زیارتوں کے اندر یہ اعلان کیا جائیگا کہ ریاست کشمیر کی مسلم رعایا بیرونی عنصر سے اپنے کاموں کے تعلق اشد پذیر نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنی وفاداری میں اپنے حکمران ہر مائنس کے لئے ثبات قدم ہے جس سے وہ اپنے جائز مطالبات پر سمجھوتہ نہ غور کرنے کی پوری توقع رکھتی ہے۔

(۳) مسلم فرقہ کے ساتھ سمبدی رکھنے والوں سے اپیل کی جائیگی کہ جب تک ان مطالبات کا جو وہ پیش کرے گا۔ فیصلہ نہیں ہوتا۔ کوئی ایسی کارروائی نہ کی جائے۔ جو اس پر امن فضا کو خراب کر دے۔ جو مطالبات پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے۔

(۴) اس سمجھوتہ سے عام قانون جو اس وقت تک نافذ ہے۔ میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی

(۵) اس سمجھوتہ کے لئے ہم وزیراعظم کی اس دریا دلی کی قدر کرتے ہیں۔ جو انہوں نے ہمارے معروضات کو سننے میں دکھائی ہے۔ ہم اس کی سمبدی اور عبرتانی

کے شکور ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے مطالبات پر بھی اسی طرح سمجھ دے اور
عذر فرمائیں گے۔

دستخط، اگرچہ ہماری اس عرضداشت کا جواب جو ہم نے ۱۱ اگست کو ہمارے ہمارے
کی خدمت میں پیش کی تھی۔ تسلی بخش نہیں تھا ہم ہم اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔
اور اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس عارضی سمجھوتہ کی شرائط پر وفا داری سے کار بند رہیں گے
اس شرائط نامہ پر تمام جموں و کشمیر کے دس نمائندگان کے دستخط ثبت تھے

حکومت کشمیر کی طرف سے مراعات

۱۱، جب ایچیٹن کے مکمل طور پر بند کئے جانے کا اعلان تمام شہروں اور گاؤں میں کیا
جاسکا۔ تاہم ان حکومت وہ تمام حکام معطل کر دیں گے جو گذشتہ دو ماہ کے اندر قانونِ مرتجعہ
کے تحت ایچیٹن کو دبانے کے لئے عمل میں لائے گئے ہیں۔

۱۲، ہائی کورٹ سے درخواست کی جائیگی کہ ان تمام اشخاص کو ضمانت پر رہا کر دیا
جائے۔ جو سنٹرل جیل میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کے جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں۔ یا جن کا عدالت
میں چالان ہوئے۔ ان کے مقدمات کی سماعت کو دلال کیٹی کی پلٹ شائع ہونے
تک ملتوی کیا جائے۔

۱۳، ان ملازمین سرکار کے معاملہ پر جو اس ایچیٹن کے سلسلہ میں درخواستِ معطل یا
تسلی کے لئے گئے۔ غور ہوگا۔ اور اگر وہ یہ ضمانت دے سکیں کہ وہ ایچیٹن میں کوئی
حصہ نہ لیں گے۔ ان کو بحال کر دیا جائیگا۔

حکومت کی طرف سے اس سمجھوتہ پر راجہ ہری کشن کول کے دستخط ثبت تھے

سریر شاہ نے بطور گواہ دستخط کر دیا تھا۔

راجہ ہری کشن کول کی یہ ایک انتہائی لبرل پالیسی تھی کہ اُس نے کھلم کھلا
لیے لوگوں کے ساتھ سمجھوتہ کیا۔ جن کو آج تک باغی سمجھا گیا تھا۔ اور اس سمجھوتہ
کی تحریر ایسی تھی جس سے عیاں تھا کہ حکومت مسلم نوجوانوں کی تحریک کو تحریک حریت
مان رہی تھی۔ اور اب وہ پردیگندہ جو ہر طرف سے شیخ محمد عبد اللہ اور اُس کے
رفقار کے خلاف ہو رہا تھا۔ کہ اُن کی شکایات فرصتی ہیں۔ اور وہ کچھ تیلیوں کی
طرح بیرونی مسلمانوں کے ہاتھ میں کھیلنے ہیں۔ اس سمجھوتہ سے رائیل ہو گیا۔ اور ایسا
کرنے سے راجہ ہری کشن کول کو سب دُؤل کی ناراضگی مول لینی پڑی۔ کشمیری
نڈت اُس سے برسرِ پُتھاش ہوئے۔

شیخ محمد عبد اللہ کو بھی مسلمانوں کی طرف سے بڑی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلمان
سمجھنے لگے کہ حکومت نے اُس کو جیت لیا ہے۔ وہ ٹوڈی بن گیا۔ اور مسلمانوں کا کیا
کراہِ خاک میں مل گیا۔ ۲۶ اگست کی شام کو جس دن یہ سمجھوتہ طے ہو گیا تھا۔
مسلمانوں نے اُس کے مکان پر دھاوا بولا۔ مکان کی کھڑکیاں توڑ ڈالیں مگر وہ
چپکے سے بھاگ کر جموں کے مسلم نمائندگان کے بوس بوتھ میں نہ جاتا۔ تو
اُس کے جان کی چیز نہ بچتی۔ دوسرے دن اُس نے جامع مسجد میں ایک
عام جلسہ بلا کر اپنی اور دیگر نمائندوں کی پوزیشن لوگوں کے سامنے واضح کر دی
جس میں آپ نے بتلایا کہ ہماری تحریک کا یہ مطلب نہیں کہ ملک میں ہمیشہ باغی
ہے۔ جب حکومت ہمارے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو۔ اور سمجھوتہ کی شرائط
طریمین کے لئے باعزت عزت ہوں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم نہ دست بردار

تکے نہ بڑھائیں۔ اس تقریر سے لوگوں کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ اور آپ کی نسبت
عوام سے بدگمانی معدوم ہو گئی۔ اس جلسہ میں لاہور کے جسٹس دین محمد بھی موجود تھے
مسلمانوں اور حکومت کے اس داد و ستد سے کچھ عرصہ حالات پرسکون
رہے۔ حکومت دو ماہ کے فسادات سے بگڑی ہوئی مشینری کو سمجھانے کے کام
میں لگ گئی۔ مسلمان اپنی تعلیمی اور رستی اور مجلسی برعظی کی طرف دھیان دینے لگے
نمائندگان نے کئی دفعہ وزیر اعظم سے ملاقات کی۔ اور آپس میں روز بروز خونخوار
تعلقات پیدا ہونے لگے۔ اب ہر ایک آدمی اُس روز کے انتظار میں تھا۔
جب مسلمان اپنے مطالبات کا ممبریل حکومت کے پیش کریں گے اور حکومت اُس
کا کیا جواب دے گی۔ کیونکہ اتنا انقلاب ہونے پر بھی حل طلب ابھی حل طلب ہی
تھا۔ وجہ شکایت ابھی دور نہ ہوئی تھی۔

جب روز کے گزرنے پر مسلمانوں کو شکایت پیدا ہوئی۔ کہ راجہ ہری کشن کول اپنی
شرائط پر کار بند نہیں رہا۔ اور وہ تمام ملازمان بحال نہ کئے گئے۔ جو ابھی ٹیشن میں
حکومت کی ناراضگی کا شکار ہوئے تھے۔ اس کے ثبوت میں چند ایک مثالیں بھی
پیش کی گئیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے چند ایک تقریروں میں حکومت کی اس پالیسی پر
سخت نقطہ چینی کی جس سے حکومت نے سمجھا کہ مسلم نمائندگان نے حکومت
کی شرائط توڑ ڈالی ہیں۔ راجہ ہری کشن کول اس لئے بھی بدظن ہوا۔ کیونکہ مسلمان
اپنا ممبریل بھیجے میں لیت و لیل کر رہے تھے جس سے شک پیدا ہوتا تھا۔ کہ اُن
کے پاس جائیداد شکایت کو نوٹی نہیں۔ وہ صرف منہ وریاست کو بدنام کرنے کے
لئے۔ اور ملک میں بد امنی پیدا کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ درپردہ

حقیقت یہ تھی کہ مسلم نمائندگان نے سمبوریل کا سودہ بنکر ڈاکٹر عالم کے حوالے کر دیا تھا۔ جسکو لیکر وہ پنجاب چلا گیا۔ تاکہ اُسہیں کانگریسی مسلمانوں سے شورہ لیا جائے۔ عبدالرحیم بھی ڈاکٹر عالم کے ساتھ چلا گیا۔ لیکن جب وہ لاہور پہنچا تو کشریر کمیٹی والوں نے بھی سودہ دیکھنا چاہا۔ اُس پر بہت دقت صرف ہوئی اور عبدالرحیم کی واپسی میں غیر متوقع درنگی ہوئی۔

راجہ ہری کشن کول نے جب دیکھا کہ مسلمان نہ تو مطالبات پیش کرتے ہیں۔ اور نہ ہی خاموش رہتے ہیں۔ تو اُس نے غیر دانشمندانہ طریقے سے شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیے۔ ۲۴ ستمبر کی شام کے پانچ بجے جبکہ شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم کی کوٹھی کے سامنے ایک بوس بوس میں اسلامیہ سکول کے لئے چندہ جمع کئے تھے۔ شیخ عبدالعزیز ڈی۔ آئی جی۔ اور لالہ انند سروپ انسپکٹر پولیس نے انہیں بلایا۔ اور چند قدم چلکے انہیں بتلایا کہ وہ حکومت کے حکم سے زیر حراست لئے جا رہے ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے جواب دیا۔ ”میں تیار ہوں مجھے کوئی غدر نہیں“۔ آپ کو کاریں بھا کر رہا کرنا۔ بادی بارغ کو ارٹھر گارڈ میں قید کیا گیا۔

شیر کشریر کا قید کیا جانا ماسٹر عبداللہ کے بن کے جانے سے کہیں خطرناک ثابت ہوا۔ یہ خبر آنا ناگھٹل کے آگ کا شروع ہنر کے چاروں اطراف میں پھیل گئی۔ تمام بازاروں میں کھل بڑھال ہو گئی۔ اور مسلمان جامع مسجد میں بھڑاؤ کی تعداد میں جمع ہو گئے۔ مسلم نوجوانوں نے وکٹوریئل کا اعلان کر دیا۔ اور اس کونسل کا پہلا پہلا ڈکٹیٹر مفتی جلال الدین بن گیا۔ حکومت نے اُس کو گرفتار کر لیا۔ لیکن دوسرے دن اُس سے بھی زیادہ ہوش پھیل گیا۔

اب جلوس نکلنے لگے۔ اور حالات نہایت خوفناک صورت اختیار کر گئے۔ حکومت نے قصبہات اور دیہات میں پہلے ہی فوج بھیج دی تھی۔ شہر میں بھی جا بجا فوج کے دستے تعینات کئے گئے۔ لیکن ہجوم جگہ جگہ جمع ہوتا تھا۔ اور فوج پر پتھر برسائے جاتے تھے جس سے فوج کو کئی جگہ گولی چلائی پڑی جس میں کئی آدمی مارے گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ جب جامع مسجد میں مجمع پر گولی چلائی گئی۔ تو مسلمان بے حد متعل ہوئے۔ اننت ناگ میں حکومت کی اس حرکت کے خلاف احتجاج کے طور پر جلوس نکلا۔ مقامی افسران نے اُن کو بند کرنا چاہا۔ سرکاری اطلاع کے مطابق ہجوم نے اس تہذیب کی پرواہ نہ کی۔ بلکہ فوج پر پتھر برسائے۔ اور یہ بھی کوشش کی کہ سپاہیوں سے بند دقتیں چھین لی جائیں جس پر تحصیلدار کو گولی چلائی پڑی جس سے ۱۹ آدمی مارے گئے اور تیس زخمی ہوئے۔ ۲۳ ستمبر کو حکومت نے خواجہ غلام احمد عثمانی اور خواجہ سعید الدین شال کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیے۔ بشر عثمانی کو رات کے وقت زیر حراست لیا گیا۔ لیکن سعید الدین شال گرفتار نہ ہو سکا۔ جب صبح کے وقت لوگوں کو پتہ لگ گیا کہ شال صاحب کے خلاف وارنٹ نکل چکا ہے۔ تو انہوں نے تہیہ کر لیا۔ کہ کچھ بھی کرنا ہو۔ اُن کو گرفتار نہ ہونے دیں گے۔ ایسا ہونے کے لئے ۲۴ ستمبر کو سپاس نہار سے زیادہ مسلمان کھانڈیاں لاکھٹیاں۔ تلواریں اور دیگر قسم کے ہتھیار لے کر محلہ خانیار میں جمع ہو گئے۔ اور کھلم کھلا حکومت کو چیلنج دینے لگے۔ حکومت کے بیان کے مطابق اس ہجوم میں بند دقتیں لیکر بیرون شہر کے قریب آتین صد آدمی شامل ہوئے تھے۔

حکومت نے وقت کی نزاکت کو پہچان لیا۔ اگر وہ اپنے فقار

کو قائم رکھنے کے لئے اُس روز خواجہ سعید الدین شال کو گرفتار کر لیتی۔ تو شہر کے درمیان
 خون کی ندیاں بہ جاتیں۔ تیس ہزار لوگوں کا یہ بے ضابطہ فوج مٹری کے سپاہیوں اور
 غیر مسلموں کو تہ تیغ کرنے کے لئے کافی تھا۔ لیکن راجہ ہری کیشن کول نے تدبیر سے
 کام لیکر فوج کو ہٹ جانے کا حکم دیا۔ ہجوم خود بخود منتشر ہوا۔ یہ بات یہاں پر یاد
 رکھنے کے قابل ہے کہ مسلم ہجوم نے اس روز ہندوؤں کے ساتھ کوئی چھیڑ خانہ
 نہ کی۔ بلکہ کہیں اسکے ڈکے کشمیری پنڈت سردیا عورتیں خوف و ہراس سے کسبی
 ہوئی چلتی تھیں۔ تو اُن کو مسلم نوجوان والٹیر اپنے منزل مقصود تک پہنچانے کے
 لئے حقے لوح امداد دیتے تھے۔

حکومت نے دیکھ لیا کہ حالات بدترین ہو چکے ہیں۔ اور پول ایڈمنسٹریشن
 ان کو اپنے قابو میں نہیں لاسکتی۔ جس لئے ۲۴ ستمبر کے روز جبار راجہ بہادر نے
 نوٹیفکیشن نمبر ۱۱۰۔ ایل ۱۹۸۸ نافذ کر دیا جس کی نوے سے ستر گزیر نوپل حدود
 کو مٹری کے حوالے کر دیا گیا۔ یہ نوٹیفکیشن حکومت ہند کے برہما آرڈیننس کے
 مطابق بنایا گیا ہے۔ اس کے تحت جملہ سٹیٹ افسران فوج ریاست جن کارنیک
 برگیدیر سے سیکنڈ لیفٹیننٹ (بشمول برادری) تک کا ہوڈرٹکٹ بحسٹریٹ اور جملہ افسران
 پولیس جن کارنیک سب انسپکٹر یا اس سے بالاتر کا ہو۔ باضیاء رخصت جملہ اختیار
 مقرر کیا گیا۔ ۲۵ ستمبر سینچر دار کے روز فوج کا ایک دستہ شہر کے اندر سے گزرا
 جس کے آگے شاہی جھنڈا بلند تھا۔ ہر ایک کو مجبور کیا جاتا تھا اس کے آگے جھک
 جائے۔ چند مسلم نوجوانوں نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ اُن کو سزائیں دی گئیں
 اور نطاہر ان سخت قوانین سے حالات پُر سکون ہوئے۔ لیکن جاننے والے
 جانتے تھے کہ یہ سب عارضی ہے۔ اور اصلی حالات بے ہوشے ہیں۔

چنانچہ ٹرہون جیسے معتدل اخبار نے بھی اپنی ۲۴ ستمبر کی اشاعت میں لیڈنگ آرٹیکل کے دوران میں لکھا۔

درخت احکام سے معارضی اثر تو لپٹا ہر سید اسو ہے۔ لیکن یہ بڑی بیوقوفی ہوگی۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ فنا ختم ہوا۔ تب تک کوئی مستقل امن قائم ہونا ناممکن ہے۔ جب تک مسلمان اپنی اصلی شکایات ہمارا جہ بہادر کے پیش نہ کریں "راجہ ہری کشن کول نے کوشش کی کہ اعتدال پسند مسلم لیڈروں کو اپنے ساتھ ملائے۔ اس نے مین ایپے رہنماؤں کو جس میں سیرد اعظا یوسف شاہ بھی تھے ہمارا جہ بہادر کی بارگاہ میں ملاقات کا شرف بخشا۔ لیکن انہوں نے پہلا مطالبہ ہاں پھر ہی کیا۔ کہ وزیر اعظم کو برضا سے کیا جائے۔ ہمارا جہ بہادر نے اس درخواست کو ماننے سے قطعی انکار کیا۔

۲۶ جولائی کے روز ثوبیاں میں بھوم جمع ہو گیا۔ اور حکومت کی خلاف نظامہ کرنے لگا۔ ایو۔سی۔ ایڈپریس کے بیان کے مطابق بھوم مسلح تھا۔ اور انہوں نے پولیس سٹھانہ پر حملہ کر کے ہیڈ کانسٹیبل کو مار ڈالا۔ ریکارڈ کو جلا دیا اور فوج کے سپاہیوں پر پتھر برسائے۔ اس پر گولی چلائی گئی۔ جس سے دو مارے گئے اور چار زخمی ہوئے۔

نوٹیفکیشن ۱۵۔ اپریل سے سرنگریں مارشل لا جاری ہوئی۔ تو عوام پر وہ ظالم کئے گئے جن کے سننے سے بدن میں کپکپی پیدا ہوتی ہے۔ کسی جگہ بھی چاہے وہ پراپرٹ ہو۔ یا پبلک دو یا اس سے زیادہ تعداد میں آدمی سیاسی مجلسی یا اور کسی کام کے لئے جمع نہ ہو سکتے تھے۔ راہ چلتے ان کو کوئی بار فوجی سپاہیوں کے سامنے جے جے کاڑ کے لہرے بلند کرنے پڑتے تھے

سلمان شہر شیر کو ڈبوٹھو رہے تھے۔ اور اُس کے دیدار کے لئے نیم بسمل جالوز کی طرح تڑپتے تھے۔ اس میں خشک نہیں کہ اب چلے۔ جلوس و عنبرہ بالکل بند ہو چکے تھے۔ لیکن ہر کوئی جانتا تھا کہ یہ تیر و تفتنگ کے خوف۔ بند و فوں کی چٹنی۔ یزوں کے ڈر سے تھا۔ ورنہ مسلمانوں کے گھروں سے دلوں سے اور چہروں سے اپنے محبوب رہنما کی جدائی کے لئے پریشانی کے آثار ہو رہے تھے۔

راجہ ہری کشن کول نے پھر ایک دفعہ دیکھ لیا۔ کہ دباؤ کی پالیسی ناکام ہو رہی ہے۔ اینگلو انڈین پریس ہی نہیں۔ سودیشی اور کانگریسی پریس بھی اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ تو اُس نے پھر بادامی باغ کی طرف اپنے ایلچی بھیج دیے۔ چنانچہ ایک دن ٹھاٹھ کو کرتا رنگہ اور پنڈت جیون لال موہن میں شیخ محمد عبداللہ سے ملے۔ ٹھاٹھ کو راجہ نے شیر کشمیر کو نصیحت کی کہ تم اپنی زندگی سے کیوں دشمنی کرتا ہے۔ تم نو جوان ہو۔ لیڈر ہو۔ اور تم میں جوش ہے۔ لیکن اگر حکومت چلے۔ تو تمہیں سخت سزا دے سکتی ہے۔ جس سے تم برصغیر کے بادل ٹوٹ پڑیں۔ لیکن ہم تمہاری حب وطن کی قدر کرتے ہیں۔ اگر تم باز آؤ گے۔ تمہیں رہا کیا جائیگا۔ ورنہ تمہارے ساتھ بڑا سلوک ہوگا۔ اس دھمکی کا شیر کشمیر نے مناسب الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ جو حکومت چاہے وہ کرے۔ وہ میرے جسم کو قید کر سکتی ہے۔ میری روح کو نہیں۔ مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ حکومت کیا کرے گی۔

اس کے بعد پنڈت جیون لال شہر دوسرے دن پھر آئے۔ اور شیخ محمد عبداللہ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے ہٹ سے باز آئیں۔

لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔

قید سے باہر بھی سلم نمائندوں کو حکومت پھیلانے کی کوشش کر رہی تھی اس میں انہیں کچھ کامیابی حاصل بھی ہوئی چنانچہ ایک دن ٹیڈ جیون لال نے شیخ محمد عبداللہ کو بندوڑ کے اندر اپنے مکان پر لے لیا۔ وہاں میر واعظ یوسف اور مولوی محمد سچیلے اور غلام محمد بندت پہلے ہی موجود تھے۔ میر واعظ یوسف شاہ نے شیخ محمد عبداللہ کو بتلایا کہ انہوں نے حکومت کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ آپ اب آئندہ تقاریر کا سلسلہ بند کر دیں گے۔ جب تک مطالبات ہمارا جہ بہادر کے پیش نہ ہوں۔ شہر کشمیر نے اس پر اعتراض کیا کہ ان کے مشورے بغیر ایسا کرنے کا میر واعظ کو حق حاصل نہ تھا۔ لیکن جب میر واعظ نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو شیخ صاحب نے بتا دیا کہ میں اس معاملہ کو مسلم لیگ کی کمیٹی کے سامنے رکھ دوں گا اور جو وہ فیصلہ کر لیں گے۔ اُس پر کاربند رہوں گا۔ اس کے بعد شیخ صاحب کو پھر بادامی باغ پہنچا یا گیا۔

۳ اکتوبر کے روز ہمارا جہ بہادر کی ۲۶ ویں سالگرہ تھی۔ اس موقع پر جو شاہی دربار منعقد ہوا۔ اُس میں ہمارا جہ بہادر نے تخت پر جلوہ افروز ہونے پر وزیراعظم کو ایک سترمبر اعلان دیا۔ جو اُس نے پڑھ کر حاضرین کو سنا یا۔ اس میں ہمارا جہ بہادر نے سیاسی قیدیوں کی عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ نوٹیفکیشن نمبر ۱۹۔ ایل کو واپس لیا گیا۔ فوج مٹائی گئی۔ اور جنگی قوانین کو منسوخ کیا گیا۔

میر واعظ یوسف شاہ کی علیحدگی

مسلمانان کشمیر کے دو مذہبی رہنما ہیں۔ دونوں کو میر واعظ کہتے ہیں۔ ان کے درمیان مدت سے ایک جھگڑا چلا آتا ہے۔ ہم اس کتاب میں نہ تو ان کی گذشتہ تاریخ کو لکھنا چاہتے ہیں۔ نہ ان کے اختلافات کی ابتدا اور سرگزشت کو ہی حوالہ قلم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ تبا دنیا ضروری ہے۔ جب یہ جھگڑا خوفناک صورت اختیار کر گیا۔ تو حکومت نے ان کے درمیان فیصلہ دیا۔ جس کی رو سے چند مساجد ایک کے واعظ کے لئے مقرر ہوئیں۔ اور چند دوسرے کیلئے ایک میر واعظ کے زیادہ پیر لوگ تھے۔ اور دوسرے کے کم۔ چنانچہ ایک کو میر واعظ کلاں اور دوسرے کو میر واعظ حورد کہا کرتے ہیں۔ میر واعظ کلاں جامع مسجد کا مالک اور میر واعظ حورد خالقہ محلے کا حاکم کہا جاتا ہے۔

میر واعظ احمد اللہ کے انتقال کا ذکر پہچھے آچکا ہے۔ میر واعظ یوسف

اس کا بھتیجا تھا۔ پہلے تو احمد اللہ کا بھائی عطیق اللہ میر واعظ بنا۔ لیکن اس کی ناسازی طبیعت کی وجہ سے اس خلیل القدر عہدے کا چوغل مولوی یوسف شاہ کے کندھوں پر ہی پڑا۔ میر واعظوں کا یہ خاندان مسلمانان کشمیر میں سب سے زیادہ بارو بخ۔ باعزت اور طاقتور سمجھا جاتا تھا۔ لوگ ان کے حکم پر مرٹنے کو تیار ہوتے تھے۔ اور ان کا نام مسلم و غیر مسلم بنایت ہی تہذیب کے ساتھ لیتے تھے۔

دولتمند مسلمان اُس وقت تک ”لے پنے خاندان“ کا نہ جانا جاتا تھا۔ جب تک کہ
میر واعظ اپنے دست مبارک سے اُن کے گھر پر قدم رکھنے فرما کر اہنیں یہ شرف
نہ سجتے۔ اِس لئے مسلمانوں کی سرکردہ جماعت پر اُن کا بڑا اثر تھا۔ غرض بالآخر اُن
کے پاؤں چومنے بھی اپنے لئے فخر سمجھنے لگے۔

بہت عرصہ تک میر واعظوں نے بے علم مسلمانوں کی مذہبی رہنمائی
کی نہ کی۔ بلکہ اُن کا مجلس مدھار بھی اپنے ہاتھوں میں ہی لیا چنانچہ اسلامیہ ہائی سکول
کی سنگ بنیاد ڈال کر اُس کو موجودہ صورت میں لانا بھی اُن کی ہی تہمت کی کوششوں
کا نتیجہ ہے۔ سیاسیات میں میر واعظ ہی مسلمانوں کو شغل ہدایت کا کام دیتے
تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت کشمیر ہمیشہ اُن کی رائے کو کافی وقعت دیتی اور اُن کی
نقل و حرکت پر نظر رکھتی تھی۔

میر واعظ یوسف شاہ نوجوان تھا۔ اُس کے دل میں مسلمانان کشمیر کی رہنمائی
کرنے کا خیال مدت سے جاگزیں تھا۔ لیکن وہ چاہتا تھا کہ طریقی کار موجودہ
دُنیا کے مطابق ہو۔ اُس کے دل میں ملک کی خدمت کے لئے سچی لگن تھی۔
وہ کانگریس اور خلافت کی تحریکوں کو دیکھ چکا تھا۔ اور کشمیر میں بھی ایسی ہی
تحریک حریت چلانے کا شہ اُٹھائی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے مسلم نوجوانوں
کے ساتھ چکر چلو جس دل سے کام کیا۔ اور خاندانی اختلافات کو پس پرست
ڈال کر بھی میر واعظ سمدانی سے بنگلہ ہو ا۔ خانقاہ معلیٰ میں گیا۔ مولوی عبداللہ
کے ساتھ میر واعظ احمد اللہ نے عمر بھر مرزائی اور غیر مرزائی کی جنگ چھڑی تھی
لیکن میر واعظ یوسف شاہ نے مسلمانوں کو ایک ہی دھاگے میں پرونے

کے لئے اُس کو بھی بھول ڈالا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یوسف شاہ کا سلم نوجوانوں کے ساتھ ملنا ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ کیونکہ اس کی سمولیت سے ہی کثیر التعداد مسلمان اس بھرتک میں شامل ہوئے۔

شیخ محمد عبداللہ کی ہردلعزیزی دین دو گنی رات چو گنی زنی کرنے لگی۔ دودنہ کی جبل یا ترانے اُس کی شخصیت کو مسلمانوں غیر مسلموں اور حکومت کے درمیان وہ عزت دی کہ باقی تمام شخصیتیں چاہے اُن کو کتنا ہی اقتدار اس سے پہلے حاصل کیوں نہ تھا۔ اندر پڑ گئیں شیخ محمد عبداللہ ایک عزیز دیہاتی سے سکول ماسٹر اور سکول ماسٹر سے شیر کشمیر بنا۔ اب امیر و عزیز۔ زن و مرد۔ بوڑھے اور نوجوان میر و اعظ کے بدلے شیخ محمد عبداللہ کی راہ دیکھتے تھے شیخ محمد عبداللہ بازار میں کھڑا ہوتا۔ تو سینکڑوں لوگ اُس کے ارد گرد جمع ہو جاتے یا اوقات ایسا ہی ہوتا تھا۔ کہ کسی مجلس میں شیخ محمد عبداللہ اور میر و اعظ یوسف شاہ دونوں حاضر ہوتے۔ اُس جگہ شیخ محمد عبداللہ ہی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنتا۔ دیہات میں تو یہ عالم تھا کہ کان "دو شیر کشمیر" کو نائب رول سمجھتے تھے۔ میر و اعظ یہ دیکھا کرتا۔ اُس کے دل میں کبھی کبھی اپنی پرانی عظمت کا نقشہ یاد آ جاتا۔ لیکن وہ اُس کو بھول ڈالتا۔ اور خدا کے سامنے سر پہ سجدہ ہوتا۔ کہ ملک و ملت میں ایسا نوجوان پیدا ہوا ہے جس نے اپنے ہم وطنوں کو بیدار کیا۔ جس نے ایک معمولی بستی ہونے سے ایسی شان پیدا کی۔ یوسف شاہ نوجوان تھا۔ وہ جمہوریت کے اصولوں سے ناواقف نہ تھا۔

نئی تحریک نے میر واعظ کو مالی نقصان بھی پہنچایا۔ عقیدت مند مسلمان
اپنی کمائی کا کچھ نہ کچھ حصہ میر واعظوں کی بھینٹ چڑھانا ایسا فرض اولین سمجھتے تھے
ہزاروں روپیہ جمع ہوتے تھے۔ لیکن تحریک کی وجہ سے لوگوں کی ذہنیت میں بھی
مترق آیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ میر واعظ کو روپیہ دینے سے ایک خاندان آباد ہو جائے
اگر یہ رقم کسی قوی ہند میں دی جاوے۔ تو اس قوم کا بھلا ہو سکتا ہے۔

سرمایہ پرست ہر ملک میں حکومت پرست ہوتے ہیں۔ کیونکہ انقلاب
اُن کے لئے ہمیشہ ضرر رساں ثابت ہوتا ہے۔ ایسے ہی چند سرمایہ پرست مسلم لو جو الوں
کی تحریک کو ابتدا سے ہی بڑھی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ میر واعظ یوسف شاہ
خاندان کے ساتھ گہرے تعلقات رکھتے تھے۔ اُن کو میر واعظ کا اس تحریک میں
ثبات ہونا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ لیکن مولوی یوسف شاہ کا جوش۔ استقلال۔ بہت
قریبانی دیکھ کر اُن کو کچھ عرصہ سمجھ نہ ہوئی کہ اُس کو تحریک سے علیحدہ ہونے کا مشورہ
دیں۔ لیکن وہ اس شاک میں لگے ہوئے تھے۔ کہ کب موقع ملے گا کہ اُس کو
اپنا آلہ کار بنالیں۔ اس گروہ کا سردار منشی اسد اللہ ایڈووکیٹ تھا۔ جس کے
متعلق اس کتاب کی ابتدا میں یہی کچھ کہا گیا ہے۔

شیخ محمد عبداللہ کی دوسری گرفتاری کے وقت میر واعظ یوسف شاہ
کو پتہ لگ گیا تھا۔ کہ شیر کشمیر نے اپنا اقتدار اثر رسوخ کسی حد تک جمایا ہے۔
اُس نے دیکھ لیا۔ کہ اب ہزاروں مسلمان اُس کے لئے اپنی جان عزیز تک قربان کر
کر تیار ہیں۔ اب اُس کے دل میں شکوک پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ اُس کا
ان سوک کے متعلق منشی اسد اللہ کی پابلی سے ذکر کرنا ہی تھا۔ کہ اُنہوں نے

اُس کو اپنے دل کی کہی۔ اور یہ سچی کی۔ کہ وہ اس سحر تک سے الگ ہو جائے
 حکومت نے دیکھ لیا۔ کہ شیخ محمد عبداللہ پر ڈور سے ڈالنے فائدہ
 ثابت ہو رہا ہے۔ قید و بند کی سزا۔ روپیہ کی لالچ۔ عہدہ کی تمنا۔ اُس کو اپنے مقصد
 کے لئے جدوجہد سے باز نہیں رکھ سکتے۔ اُس نے انہوں نے کوشش کی۔
 کہ باقی مسلم نمائندوں میں سے زیادہ اقتدار اور اثر و رسوخ رکھنے والے میر واعظ
 کو کھپلایا جاوے۔ انہوں نے ایسا کرنے کے لئے منشی اسد اللہ غلام محمد مدیت
 اور دیگر سرکار پرست مسلمانوں کی جماعت کو کام میں لایا۔ اگرچہ کئی عہدہ داران سحر تک کا
 خیال ہے کہ راجہ ہری کشن کول نے اس مقصد کی کامیابی کے لئے ہزاروں
 روپیہ بھی خرچ کئے۔ جس میں سے ایک خطیر رقم میر واعظ کو بھی دی گئی۔ لیکن یہ بات
 اس وقت تک پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے۔ کہ جب شیخ محمد عبداللہ
 کو بند ہوڑکار میں بندت جیون لال ٹٹو کے مکان پر بحیثیت قیدی کے پہنچا یا گیا۔
 تو اُس وقت حکومت کو اپنے اہم مشن میں ایک گونہ کامیابی بھی حاصل ہو چکی تھی۔
 کیونکہ میر واعظ یوسف شاہ نے انہیں یقین دلایا تھا۔ کہ وہ شیر کشمیر کو اس بات
 پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ کہ وہ نے الحال اپنی سیاسی تقریروں کا سلسلہ بند کر دے
 میر واعظ سمجھتا تھا۔ کہ ایسا کرنے سے وہ دو جانور ایک ہی بھڑے مار سکتا ہے
 حکومت کے خلعوں میں اپنا وقار قائم کر سکتا ہے۔ اور شیخ محمد عبداللہ
 کی تقریریں بند کرنے سے اُس کی ہر دلعزیزی کم بھی ہو سکتی ہے۔
 لیکن جب شیخ محمد عبداللہ اس کے رفقاء کی رہائی کے بعد یہ
 حاملہ نمائندگان کمیٹی کے سامنے رکھا گیا۔ تو کمیٹی نے میر واعظ یوسف شاہ

کی تجویز کو رد کر دیا۔ اور فیصلہ کیا۔ کہ وہ خلاف قافلہ تقریروں کے سوا ہر قسم کی تقریریں کر سکتا ہے۔ جب کمیٹی کی دوسری سٹنگ میں پہلی سٹنگ کی کارروائی پر تصدیق کی جاری تھی تو میر واعظ یوسف شاہ نے حاجہ غلام احمد عثمانی کو الگ لے جا کر کہا کہ اگر شیخ محمد عبداللہ نے اپنی تقریروں کا سلسلہ جاری رکھا۔ تو میرا وقار حکومت میں ختم ہو جائیگا۔ اس لئے اچھا ہوتا اگر وہ کم از کم ایک مہینہ کے لئے تقریر کرنا بند کر دیگا۔ شیخ شمس میر تسلیم کر لیا۔ لیکن اینوالی سینچ وار کے روز خانقاہ ڈل سکول کا سالانہ اجلاس تھا۔ میر واعظ سمدانی نے شیخ محمد عبداللہ کو اس جلسہ میں تقریر کرنے کی دعوت دی۔ میر واعظ سمدانی چاہتا تھا کہ اگر جلسہ میں شیخ محمد عبداللہ حاضر نہ ہونگے تو رنگ پھیکا پڑ جائیگا۔ اس لئے اُس نے شیر کشمیر کی حاضری لازمی اور لا بدی سمجھی۔ شیخ محمد عبداللہ کو اپنے لفظ کا پاس تھا۔ اُس نے کوشش کی کہ جلسہ برخواست ہونے کے بعد حاضر ہو جائے۔ جلسہ ختم ہونے کا وقت ۵ بجے تھا۔ وہ جلسہ گاہ میں پہنچ پہنچا۔ لیکن حاضرین بقرار اُس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ میر واعظ سمدانی نے تقریر کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے حیل و ہجت سے کام لیا۔ اور اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ لیکن میر واعظ سمدانی نے بتا دیا۔ کہ یہ سب چالاکی میر واعظ یوسف شاہ کی ہے۔ جس نے اپنے سکول کے اجلاس کا میاب بنانے کے لئے آپ سے ہر ایک مدد لی لیکن میری رسوائی کے لئے آپ کو تقریر کرنے سے بھی روکا جاتا ہے۔ اس پر شیخ محمد عبداللہ نے چند معمولی الفاظ میں حاضرین کا شکریہ اور تعلیم کی بڑھائی کی۔ جس سے نہ تو حکومت کشمیر پر کوئی اثر ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہی میر واعظ یوسف شاہ کے وقار پر۔

میرد اعظیوسف شاہ کی سنت میں اگر تغیر نہ آیا ہو اچھا۔ تو وہ اس معمولی
 سے واقعہ کو فراہوش کر سکتا تھا۔ لیکن حکومت کے چند کارندے خود عرض کر رہے
 پرستوں کی جماعت نے اُس کو بھڑکایا۔ میرد اعظیوسف شاہ نے جامع مسجد کے
 اندر مسلمانوں کے ایک بھاری جلسے میں مسلم نوجوانوں اور اُن کی تحریک پر زبردست
 حملے کئے۔ انہوں نے بتایا۔ کہ یہ لوگ جو داڑھی منڈھاتے ہیں۔ تیلون پہنتے ہیں۔ اور مغربی
 عادات کے زیر اثر آئے ہوئے ہیں۔ قوم و ملک کا بھلا کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ عورتوں
 کو اپنے جلسے میں شریک کرتے ہیں۔ اور اسی طرح سوسائٹی میں بد اخلاقی پھیلانے کے
 ذمہ دار بن جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے۔ کہ اُن سے دور رہیں۔ اور اپنے ملک کو آئینوالی تباہی
 سے بچائیں۔ اگر میرد اعظیوسف نے خوف کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ کا نام اپنے وعظ میں نہ
 لیا تھا۔ لیکن جاننے والے جان گئے۔ کہ یہ سب کچھ اُن ہی کی طرف منسوب کیا جاتا
 ہے۔ جلسے میں جیسے گویاں شروع ہو گئیں۔ اور افراتفری پھیل گئی۔ شیخ محمد عبداللہ
 کو جب یہ معلوم ہوا۔ تو اُس نے معاملہ مناسدگان کمیٹی کے سامنے رکھا۔ جس میں میرد اعظیوسف
 بھی شامل تھے۔ میرد اعظیوسف نے معافی مانگی اور کہا۔ کہ یہ شیخ محمد عبداللہ کے متعلق نہ
 تھا۔ بلکہ اُن دیگر نوجوانوں کے لئے جو مذہب کو بھول گئے ہیں۔
 تار ہلانے والوں نے میرد اعظیوسف شاہ کو بھڑکایا۔ اور اُس
 سے کہا۔ کہ اگر اس موقع پر اپنی خبر نہیں لیتے تو مستقبل میں کوئی پیش نہ چلی۔ اس
 پر ایک اور جلسے میں میرد اعظیوسف نے پھر شیخ محمد عبداللہ کی پارٹی پر حملے کئے
 جب یہ معاملہ بھی مناسدوں کی کمیٹی میں پیش ہوا۔ تو میرد اعظیوسف ناہم ہوا۔ حتیٰ تو یہ تھا

کہ یوسف شاہ کے اندر کشمکش ہونے لگی تھی۔ کمیٹی کی سیٹنگ میں وہ ملک و قوم کا
 خادم قربانی کا مجسمہ اور حریت کا شیدائی تھا۔ لیکن گھر پہنچے پر چند معززوں کے
 درمیان شیر کشمیر کی ہر دلعزیزی کا حاسد کینہ آدر ملا، اعظم رہ جاتا تھا۔
 ابتدا میں یہ تنازعات فردی دکھائی دیے۔ کیونکہ ہر ایک کی توجہ
 مطالبات کا میموریل بنانے اور دیگر زیادہ ضروری کام کی طرف لگی ہوئی تھی
 لیکن میر واعظ یوسف شاہ کی علیحدگی ان ہی اختلافات کا نتیجہ ثابت ہوئی۔
 اس علیحدگی سے جو اثر سیاسیات کشمیر پر پڑا۔ وہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔

تیسری گرفتاری اور رہائی

چار ہفتے کے فسادات کے بعد حکومت کشمیر نے اجازت دی کہ مسلمان اپنی شکایات و مطالبات پیش کرنے کے لئے ہمارا جہ بہادر کی خدمت میں ایک وفد بھیج دیں۔ شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری سے پھر یہ معاملہ التوا میں رہ گیا تھا۔ لیکن ان کی رہائی پر انہوں نے پھر یہ زور دیا کہ مسلمان تب تک مطمئن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان کے واجب مطالبات کو منظور نہ کر دیا جائے۔ ہم نے لکھا ہے کہ جیل سے رہا ہونا بھی انہوں نے پس نہ کیا تھا۔ جب تک انہیں یہ اطمینان نہ دلایا جائے کہ حکومت یہ محسوس کر رہی ہے کہ فسادات کو روکنے کا ایک واحد ذریعہ یہی ہے کہ مسلمانوں سے تالیف قلوب کی خاطر ان کی آواز پر غور کیا جائے۔ مسلم نمائندگان کو منتخب ہوئے تھے۔ اس لئے سموریل پیش کرنے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

ابھی میر واعظ اوسف شاہ نے مسلم نمائندگان سے علیحدگی کا اعلان نہ کیا تھا۔ وہ شیخ محمد عبداللہ کے خلاف کبھی کبھی اشارتاً اپنے وعظ میں کچھ کہہ کر کرتے تھے۔ لیکن یہ جرات نہ ہوتی تھی۔ کہ سیاست کشمیر کے متعلق اپنی ایک ایک تنظیم قائم کرے۔ اس وجہ ہمارا جہ بہادر کی خدمت میں مسلمانوں کی طرف جملہ شکایات و مطالبات کے متعلق ایک واضح سموریل کرنے کا موقعہ آیا۔ تو میر واعظ نے اپنی رضا مندی سے اس پر دستخط کئے۔

مسلمانوں کا یہ وفد جس میں جموں کشمیر کے دس نمائندگان شامل تھے۔ ۱۹ اکتوبر
 کے روز طالع منزل میں بہاراجہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ سیموریل خواجہ سعید الدین شال
 صدر کمیٹی نمائندگان نے پڑھا۔ اس میں شکایات و ضروریات پیش کرنے اور سیاسی
 قیدیوں کو معافی بخشنے کے لئے بہاراجہ بہادر کا شکریہ ادا کیا گیا تھا۔ قلعے ملک کو یقین
 دلایا گیا کہ شورش بے وجہ اور بے بنیاد نہیں۔ بلکہ کالیف و مصائب نے مسلم رعایا
 کی زندگی تلخ کر دی ہے۔ سیموریل میں بہاراجہ بہادر اور اس کے آباء کے نافرمانی
 اصلاحات کو تسلیم کیا گیا۔ لیکن یہ بھی بتایا گیا کہ کوئی واحد شخص جموں کشمیر جیسے وسیع علاقہ
 کی غیر دوسروں کے تعاون اور مدد کے بغیر اور جبر گیری نہیں کر سکتا۔ رعایا آرام و بہبودی
 میں رہ سکتی۔ جب تک حکام پر تنقید کا حق حاصل نہ ہو۔ ایک فوری اعلان کا مطالبہ
 کیا گیا جو حکام ریاست کی ذہنی تبدیلی کا اظہار کرے۔ اُن تمام اہلکاران اور عہد داران
 کو مناسب سزا دیے گئے جو مطالبہ کیا گیا۔ جنہوں نے مسلمانوں کے مذہبی جذبات بھروسہ
 کئے۔ مساجد و مقابر و دیگر مقدس مقامات اور اُن کی متعلقہ جامدادیں جو حکومت
 کے قبضہ میں ہیں۔ واپس دے جائیں۔ سیاسی تحریک میں موقوف یا معطل کئے
 گئے اشخاص کو بحال کیا جائے۔ سیاسی شورش میں مارے گئے یا زخموں سے بیمار
 ہوئے اشخاص کے پسماندگان کو معاوضہ دینا چاہیے۔ سیاسی بھرموں کے مقدمات
 کو واپس لیا جائے۔ ایک آزاد کمیشن مقرر کیا جائے۔ جو ایام شورش میں سول
 و پولیس فون کے رہنے کی تحقیقات کرے۔ تقریر و تحریر کی آزادی۔ سوگتیاں
 اور انجمنیں بنانے کے متعلق وہی قانون جو برطانوی ہند میں رائج ہیں نافذ کئے
 جائیں۔ حدود ریاست میں شامل مذہبی آزادی اور تبدیلی مذہب کے وقت
 صنبلی جامدادی و سبکی رشتہ دار نہ ہو

لازمتوں میں تقرری کا معیار کم ہے کم قابلیت ہو۔ ہر ایک فرقہ کو ان کی آبادی کے مطابق حقوق ملنے چاہئیں۔ اگر تعلیمیافتہ مسلم نہ ملیں۔ تو کم تعلیمیافتہ مسلمانوں کو زیادہ تعلیمیافتہ غیر مسلموں پر ترجیح دی جائے۔ لازمتوں میں مسلمانوں کی زندگی کو بڑھا دیا جائے۔ ایک پبلک سروس کمیشن مقرر کر دیا جائے۔ اس سمجوریل کے ساتھ صنمچیمہ کے طور پر زمینداران کشر کی شکایت اور مطالبات الگ درج تھیں۔ جن میں جن ملکیت کا مطالبہ تھکے جات بندھان مال۔ پولیس۔ شکار گاہ کے خلاف شکایات۔ رشتہ سازی کا التداد۔ ملازمت پیشہ کو چھوٹے ملنے کی درخواست۔ راجپوتی کے مراعات کی غلط تعبیر کا پیرالی کے ٹیکس کی زیادتی۔ بکر والوں پر ٹیکس کشر پٹیوں کو اسلحہ جات رکھنے سے خرد و سبت ملٹری کالج کا قیام۔ کسٹم ڈیوٹی کے خلاف حاصل شکایت۔ مزدوروں کی ابتر حالت کی تحقیقات کے لئے کمیشن کا تقرر تھکے تعلیم میں مٹر شاپ کی تجاویز پر عمل کئے جانے پر زور دانی سکولوں کی تعداد میں اضافہ۔ صنعتی کلچر کھولے جانے کی درخواست وغیرہ شکایتیں بھی۔ درج تھیں۔

اس سمجوریل کا جواب ہمارا جہ بہار نے یہ دیا۔

حضور مابدولت نے اس سمجوریل کو جو آپ نے ابھی پیش کیا ہے۔ کہاں دھچی کے ساتھ سماعت کیلئے۔ جو نیکر اس کی ایڈوائس کا پی کل رات کو میرے پیش ہوئی تھی۔ اور چونکہ آپ نے اس میں بعض ایسے اہم امور ات کا تذکرہ کیا ہے جن کا بغیر غور و خوض فیصلہ کرنا۔ ممکن نہیں۔ انڈریں صورت حضور مابدولت آج ہی مفصل جواب دینے سے قاصر ہیں۔ الا آپ کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ آپ کی عرضداشت پر غور کرنے اور اس کے متعلق احکام صادر کرنے میں کوئی غیر ضروری

توقف نہ ہوگا۔

مابذولت کو محسوس کرتے کمال مسرت ہوئی ہے۔ کہ آپ نے حضور ایں جانب کی اس غائبی کا کہ حالات کو ان کے اصلی پرسکوں حالات پر برقرار رکھا جاوے جس کا اظہار کہ مابذولت نے اعلان غزو عمومی میں بروقتہ سالگرہ کیا تھا۔ وفاداری سے لبیک کہا ہے۔

آپ نے جو اس عقیدت کا از سر نو اظہار کیا ہے۔ کہ مابذولت کی سلم رعایا ذات اور تحت کی وفادار ہے۔ اُس سے حضور ایجناب متاثر ہوئے ہیں۔ اور حضور مابذولت یہ دلی کوشش کریں گے۔ کہ رعایا اور راعی کے درمیان رختہ رافت بدلتور قائم ہے۔

جن امور کا آپ نے ذکر کیا ہے۔ وہ تین صمنوں پر منقسم ہوئے ہیں
اول وہ امور جن کے بارہ میں آپ نے تحقیقاتی کمیشنوں کے تعزیر کی
بجوتی کی ہے۔

دویم وہ امور جن کا تعلق زیادہ تر مابذولت کی سلم رعایا سے ہے۔
سوم۔ وہ امور جن کا تعلق صرف مابذولت کی سلم رعایا سے نہیں
بلکہ جو غیر سلم رعایا پر بھی موثر ہیں۔

۱۳ جولائی کو گولی چلانے کے متعلق آپ کو علم ہے۔ کہ اُس کمیٹی نے
جن کے صدر سر برجور دلال تھے۔ بعد تحقیقات اپنی رپورٹ پیش کر دی
ہے۔ جو شائع ہو کر اس وقت زیر غور ہے۔ مورخہ ۲۲ - ۲۳ - ۲۴ ستمبر کو گولی
چلائے جانے کے واقعات کی تحقیقات کی غرض سے حضور ایجناب نے
ابھی ابھی ایک کمیشن مقرر کی ہے۔

مطلق الخائنہ حکومت کے کماحقہ حصے سے دست بردار ہوں۔ یہ کوئی وجہ نہیں کہ منہ و
 ہمارا راجہ کی رعایا کی کثرت سلمان ہے۔ اگر برطانوی منہ کے لوگ ایسے بلا شہ کے
 ماتحت پوری ذمہ دار حکومت کے خواستہ مند ہیں جن کا مذہب ان کے مذہب کے مختلف
 ہے۔ تو کشمیری بھی ابا کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ ہم مسلمانوں کے فرقہ دارانہ مطالبات
 کے خلاف ہیں۔ لیکن وفد کے ان مطالبات کے ساتھ ہیں پوری ہمدردی ہے۔
 جس میں انہوں نے انسانی ابتدائی حقوق۔ مذہبی آزادی۔ تقریر و تحریر کی آزادی پر پس کی آزادی
 سٹیٹ سبجیکٹس کے ساتھ مساوی سلوک۔ یونسل فرنیچر میں ریفارم۔ کوئل باڈیوں
 میں لوگوں کا کنٹرول۔ مالکداری میں تخفیف۔ رشوت تانی کا ائنداد۔ کا مطالبہ کیا
 ہے۔ اس کے علاوہ آئینی حکومت کا قیام وغیرہ۔ ایسے مطالبات ہیں جنہیں ریاست
 کی سلم رعایا غیر مسلموں کے ساتھ ملکر آواز بلند کر سکتی ہے۔ جیسا کہ ہمارا راجہ بہادر
 کے جواب سے معلوم ہوتا ہے۔ شہر کے فسادات کی تحقیقات کے لئے سٹرٹلشن
 کو مقرر کیا گیا تھا۔

ہمارا راجہ بہادر کھیلے جواب کی رو سے پتھر مسجد جو بہت دیر سے حکومت
 کے قبضہ میں تھی۔ امدت سال رخصت کے لئے کوٹھار کے طور پر استعمال کی گئی تھی
 چند شرائط پر مسلم نمائندگان کے حوالے کر دی گئی۔

انہوں نے ان چند شرائط کے خلاف یکم نومبر ہمارا راجہ بہادر کی خدمت
 میں ایک عرضداشت بھیج دی جس میں التجا کی گئی۔ کہ دیگر مطالبات و شکایات پر
 جلد ترین غور کیا جائے۔ اور حکومت کی پالیسی کے متعلق اعلان کر دیا جائے۔
 کشمیر میں یہ ہو رہا تھا۔ تو پنجاب میں سیاسیات کشمیر کے متعلق کلم کرنے
 والی دو جماعتیں الگ ہی کھڑی پکار رہی تھیں۔ قادیانی تو آئینی طور پر کام کر رہے تھے

لیکن اہرار چاہتے تھے کہ ان پر سبقت لے جائیں۔ ایسا کرنے کے لئے انہوں نے
 کانگریس کے سول نافرمانی کے پروگرام پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اور مظہر علی اظہر کی سرکردگی
 میں والٹیروں کے صفحے ریاست کو بھیجنے شروع کر دیے۔ جو ریاست کی حدود پر
 پہنچ کر اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے تھے۔ یا انڈر جاکر کھلی میچا نا چاہتے
 تھے۔ ان کا مدعا یہ تھا کہ ریاست کی نظام حکومت تنگ آ کر ان کے ساتھ اپنی
 کی شرائط پر صلح کرنا قبول کرے۔ یہ صفحے کچھ تو کوٹلاہ کی طرف سے دادی کشمیر میں
 داخل ہونا چاہتے تھے۔ اور کچھ جموں میں سوچیت گڑھ کی طرف سے داخل ہونے
 کی کوشش کر رہے تھے حکومت کشمیر نے دیکھ لیا۔ کہ اگر یہ انڈر
 داخل ہو جائیں۔ تو فرقہ دارانہ فسادات اور سیاسی فورش پیدا ہونے
 کا احتمال ہے۔ اس لئے ان کو حدود ریاست پر پہنچنے ہی گرفتار کرنے کے
 احکام جاری کیے گئے۔

کشمیری اہرا یوں کی اس فورش سے متاثر نہ ہوئے۔ اور مسلمانان کشمیر
 نے ان کے ساتھ تعاون نہ کیا۔ لیکن جموں کے مسلمانوں کا ایک حصہ ان کے
 نعرے میں آگیا۔ چنانچہ رٹنڈرکھاساغر نے حکومت کو ۲۴ گھنٹے کا نوٹس دیدیا
 کہ مطالبات کو منظور کر دیا جائے۔ جب ایسا نہ ہوا۔ تو اس نے اپنے آپ کو انجمن فزوشا
 کے صدر سے سول نافرمانی شروع کر دی۔ اور اقلیت کے ضبط شدہ بچوں کو
 سر بازار فروخت کرنا شروع کر دیا۔ اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور ساتھ ہی دو ہزار کے
 قریب اہراری والٹیروں کو بھی زیر حراست لے لیا گیا۔ جن میں مظہر علی اظہر بھی
 تھا۔ جب اہراری صفحے جموں میں سوچیت گڑھ کے راستے کو چھوڑ کر ایک گاؤں سے
 داخل ہونا چاہتے تھے۔ تو وہاں مندروں نے ان کو ایسا کرنے سے روکا۔ اہراری

اس سے ناراض ہوئے۔ اور نوبت ہاتھ پائی تک پہنچی۔ یہ خبر جموں پہنچ گئی۔ تو سندھ و
 سلمان شتعل ہوئے۔ اور ۲ نومبر کے روز وہاں سخت فرقہ دارانہ فساد ہوا جس میں
 طرفین کے کئی آدمی مارے گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اور کئی دوکانوں کو
 لوٹا گیا۔

احواری جتھے پھر بھی جموں میں داخل ہوتے رہے۔ منظر علی کو دو سال
 قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ جموں میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دفعہ ۱۴۴ نافذ کر
 دیا۔ لیکن پھر بھی آکے ڈسٹرکٹ کے حملے ہوتے رہے۔ جموں کے سندھ و خوف زدہ ہو گئے اور
 انہوں نے ہڑتال کر دی۔ جب دیوار سرنگر سے جموں روانہ ہوا۔ اور ہمارا جہاں
 اور منڈیال ۴ نومبر کے روز جموں پہنچے۔ تو شہر میں ہڑتال تھی۔ ٹری گشت نگاری
 تھی۔ فٹروں نے لوکل لیڈروں سے بات چیت کی۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے
 سربراہ اور وہ مسلمانوں کی ٹینک بلائی۔ لیکن ایک سلمان کے سوا کوئی حاضر
 نہ ہوا۔ گرفتار شدہ احواری والفسیروں کی تعداد ۳۵۰ تک پہنچ گئی۔

ان حالات کے درمیان ہمارا جہاں نے اب بھی مناسب سمجھا
 کہ حکومت سندھ سے مدد طلب کی جائے۔ چنانچہ جب انبیا لیا گیا۔ تو وہ برطانوی
 حکومت جو اس تمام فسادات کو بغیر کسی تلامبٹ کے دیکھ رہی تھی۔ متحرک ہوئی
 اور والیس رائے نے ۲۴ نومبر کے روز آرڈیننس جاری کر دیا۔ جس کی رو سے حکومت
 پنجاب کو خاص اختیارات دئے گئے۔ کہ وہ حدود ریاست کے اندر جانے
 والے جھڑوں کو روک دے۔ اس کے علاوہ گورنر فوج اپنے افسران کے ماتحت
 ریاست کو روانہ کر دی گئی۔ جو حالات پر قابو پائے۔

کشمیر آرڈیننس کے جاری ہونے اور گورنر فوج کے ریاست میں

داخل ہونے سے سیاریات کشمیر کا نیا باب شروع ہوتا ہے۔ ہمارا جہ بہادر
 ہری سنگھ نے جو بٹالائی افسروں کو اپنی ریاست میں نہیں چاہتے تھے۔ اور حکومت ہند
 کی مداخلت کو گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ بادل ناخواستہ ان کی اطاعت قبول کر لی
 اور اس سے درخواست کی کہ وہ ریاست کو ان خوفناک فسادات سے آزاد کر
 دے۔

۱۹ اکتوبر کے مہوریل کے جواب میں جس سرکاری اور غیر سرکاری ممبران پر
 شمل کمیشن کا ذکر کیا تھا۔ اس کی صدارت کے لئے انہوں نے حکومت ہند
 کو ایک تجربہ کار آفیسر کی خدمات بہم پہنچانے کے لئے بھی لکھا۔ حکومت ہند
 نے سٹراب۔ سرابی جے گلینی آف پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو ان فرائض کی
 انجام دہی کے لئے نامزد کر دیا۔ سٹراب گلینی ۲ نومبر کو سرنگریہ پہنچے۔ اور سندھو
 مسلم و سکھ نمائندگان کی محکف و شنید کے بعد ہمارا جہ بہادر کو کمیشن کے
 کام اور ممبران کی نامزدگی کے متعلق مشورہ دیا۔ اس شورہ کے حاصل ہونے پر
 ہمارا جہ بہادر نے ۱۲ نومبر کو عضلہ ذیل تاریخی اعلان شائع کیا:-

کچھ مدت سے میری توجہ ان شکایات کی طرف دلائی گئی ہے جن میں بتایا
 گیا ہے کہ ریاست میں مذہبی آزادی پر بندشیں ہیں۔ ان شکایات سے
 مجھے انتہائی دکھ ہوا ہے۔ اور میں اپنی رعیت کو لعین دلا نا چاہتا ہوں۔
 کہ میری ہمیشہ خواہش رہی ہے۔ کہ ریاست میں رہنے والے تمام فرقہ جات
 کو اپنے مذہبی عقاید پر چلنے کی آزادی ہو جس میں قطعاً کوئی رکاوٹ نہ ہو
 یہی میری حکومت کی پالیسی بھی ہے۔ یہ میری چاہ ہے کہ اس معاملہ کے

مستحق کوئی بھی بدگمانی جلدی دور کی جائے۔ اور ماسحت افسران کی طرف سے
 اس پالیسی کے چلانے میں کوئی بھی تامل نوٹس میں لایا جائے۔ اور دست
 کیا جائے میری درخواست پر حکومت سندھ نے ایک غیر خاندانہ افسر کی خدمات
 بیرون ریاست سے بہم پہنچائی ہیں۔ جو موجودہ شکایات کی تحقیقات کر کے
 ان کو دور کرنے کے لئے سفارشات کرے گا۔ اس افسر کا نام جو اس کام کیلئے
 منتخب کیا گیا ہے۔ سٹریٹیجی کلینسی ہے۔ جو اٹالیا ان کشمیر کے پاس
 کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ کیونکہ اس کی پیش فہمیت خدمات جو اس نے
 شمالی سکیم کے متعلق ریاست اور میری رعایا کی چند سال پہلے انجام دی ہیں
 اچھی طرح معلوم ہیں۔ جو مشکلات پہلے اس سلسلہ میں درپیش آئی تھیں
 خوش قسمتی سے متعلقین کی بہبودی کے لئے دور ہو گئی ہیں۔ اس کے
 لئے ان تدا بیر کا شکریہ جو میری حکومت نے سٹریٹجی کی سفارش
 پر عمل میں لائی ہیں۔

در اس لئے مجھے امید ہے اور یقین ہے کہ سٹریٹجی پر
 میری رعیت کو بھروسہ رہے گا۔ اور میری رعایا کا ہر ایک طبقہ ان کو اپنے
 کام میں ہر طرح امداد دیتا رہے گا۔ میرے احکام کے ماتحت سٹریٹجی مختلف
 فرقہ جات کے نمائندگان کے ساتھ ملے اور ان سے مکمل حالات پر بحث
 و مباحثہ کرے۔ تاکہ تحقیقات کے لئے ایک پُر امن فضا پیدا کی جائے
 جو کہ اس کے لئے نہایت ضروری ہے۔ سٹریٹجی کو اس تحقیقات میں چار
 غیر سرکاری ممبران امداد دینگے۔ جن میں دو مسلم اور دو غیر مسلم ہوں گے۔

ان ممبران کو اپنے اپنے فرقہ کے نمائندگان نامزد کر سگے۔ جس سے ان کو اپنے اپنے فرقہ جات کا مکمل نمائندہ تصور کیا جانا چاہیے۔

دو کمیشن کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ ان تمام رجحانات کی تحقیقات کرے جو میری غور کے لئے پیش کی گئیں ہیں۔ یا جو اب کمیشن کے سامنے رکھی جائیں گی اور جن میں یہ شکایت ہو کہ ریاست میں کسی فرقہ کے مذہبی عقاید پر چلنے کے متعلق کسی قسم کی کوئی بھی بندش ہو۔ تحقیقات کے اس حصے میں اس پر بھی غور ہوگا کہ وہ مکانات یا مقامات جو اس وقت حکومت کے قبضہ میں ہیں۔ لیکن کوئی فرقہ اس مکان یا مقام کو اپنی عبادت گاہ سمجھتا ہے۔ واپس کر دیا جائے۔ بشرطیکہ ان کے متعلق کوئی احکام اس سے پیشتر جاری نہ کیا گیا ہو۔

دو میری حکومت کی کوئی ایسی خواہش نہیں۔ کہ الے کسی مکان یا مقام کو جو کسی مذہب کی عبادت گاہ کے طور پر استعمال کی گئی تھی اپنے قبضہ میں رکھے۔ قدم اٹھایا جائیگا۔ کہ جن کے متعلق کوئی جھگڑا نہ ہو۔ بغیر کسی دہائی کے واپس کر دے جائیں۔ کمیشن ایسی شکایات کے متعلق بھی تحقیقات کریگا جن میں دکھایا جائے کہ میری رعایا کا کوئی طبقہ یا حصہ اپنے مذہب پر چلنے کے سبب سے کوئی تکلیف اٹھا رہا ہے۔

دو اس کے بعد کمیشن ان شکایات کی تحقیقات کریگا جو تمام قسم کی ہوں جو کسی خاص قسم کے مذہب کے متعلق نہ ہوں۔ ان تمام معاملات کے متعلق کمیشن بہت جلد تحقیقات کریگا۔ اور اپنی سفارشات میری حکومت کے پیش کرے گا۔ جس پر پھر وہ عہدہ دارانہ غور کر کے ضروری احکامات جاری کرے گا۔

دے گی :-

”میری یہ خواہش ہے کہ ریاست کے موجودہ ریگولیشن میں جو سائیاں یا الیو سی۔ ایشن ہا اور عام جلسوں یا اجتماعات میں آزادانہ رائے کے اظہار کے متعلق نافذ ہیں۔ ایسی ترامیم کی جائیں تاکہ اس کو برطانوی منہد کے قوانین کے مطابق اس حد تک بنایا جائے جس حد تک وہ میری رعایا کے مفاد اور یہودی کے لئے بن سکیں برٹ گلیسنی کے ساتھ مشورہ کر کے ریاست کے ریگولیشن کو ترمیم کا کام عنقریب ہاتھ میں لیا جاوے گا۔

”میرا خیال ہے کہ میری رعایا کو حکومت کے ساتھ وابستہ کرنے کے لئے تدابیر اختیار کئے جائیں۔“ میری خواہش ہے کہ تمام فرقہ جات کے نمائندگان ریاست کے کام کو چلانے کے لئے اپنے خیالات کا اظہار کر کے حکومت ریاست میں حصہ لیں تاکہ اس کی امداد کیا کریں۔ ”جب موجودہ سکایات و تکالیف کے متعلق کمیشن کی تحقیقات ختم ہو جائے گی۔ تو میرا ارادہ ہے کہ ایک کانفرنس زیر صدارت مٹر

گلیسنی بلائی جائے جس میں میری رعایا کے مختلف طبقہ جات کے نمائندگان شامل ہوں گے۔ تاکہ آئینی اصلاحات کے عمل میں لانے کے لئے اچھے بہترین تدابیر پر بحث کر کے میرے عوز اور ارشاد کے لئے سفارشات کی جاسکیں :-

مہاراجہ بہادر کا یہ اعلان سننے کے لئے مسلم و غیر مسلم نمائندگان راجہ ہری کشن کول کے دفتر میں حاضر ہوئے۔ کشمیری مسلم رہنماؤں کے علاوہ

سیّد مخدوم عیسیٰ



ایم غلام علی نے خاتہ پر سکول ہسٹری کی حالت میں

محمد امجد علی غزنوی اور سید بٹ شاہ سوہا جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ممبران
تھے بھی شریک ہوئے تھے۔ تمام جلسوں نے ہمارا راجہ اور وزیر
اعظم کا شکریہ ادا کیا۔

اس اعلان کے شائع ہونے سے ریاست کے تمام
فرقہ جہاں گئے اندیسرہ کی اپروڈر گئی۔ ہر فرقہ کے حمران کے
حسن تدبیر کے لئے خراج تحسین حاصل ہونے لگا۔ ۱۲ نومبر کے روز
میں ۳۰ ہزار مسلمانوں کے اجتماع میں شیخ محمد عبد اللہ نے
مفصلہ قرار داد پیش کی۔

در مسلمانان کشمیر کا اجلاس ہمارا راجہ بہادر کے ۱۲ نومبر کے
احکامات کو خوش آمدید کرتا ہے جس میں مسلمانوں کے استیصالی حقوق
کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور جس کا اعلان مجددانہ اور محبت آمیز الفاظ
میں کیا گیا ہے۔ یہاں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ اظہار کیا جائے
کہ مسلم رعایا ہمیشہ ہمارا راجہ بہادر کی ذات اور سخت کی وفادار
رہی ہے۔ اور ہے گی۔ اور امید کرتی ہے کہ جو دلچسپی ہمارا راجہ بہادر
نے مسلمانوں کی شکایات کو دور کرنے کے لئے لی ہے، اُس سے
اچھے نتائج پیدا ہونے ضروری ہیں۔ مسلمان اپنے وفادارانہ فرائض
کا تقبیل دلاتے ہیں۔

یہ اجتماع وزیر اعظم کی اُس مثبت بھری تقریر کے لئے
جو انہوں نے اس تاریخی اور اہم حکم کو سننے سے پہلے اور بعد کی
اُن کا دلی شکریہ ادا کرنا ہے۔ اس امید کرتا ہے کہ ایسے ہی

مسجد روانہ طلقہ پر تمام مشکلات کا حل کیا جائیگا۔
جامع مسجد سرنگر۔ بارمولہ۔ سوپور وغیرہ جگہوں پر بھی ہسٹم
کے ریزولیوشن ہزار ہا مسلمانوں کے مجموعہ میں پاس کئے گئے۔ کشمیر کمیٹی
کے چند ارکان نے بھی اس پر اطمینان قلب کا اظہار کیا ہے
لیکن احرار و مہاول پر نہ تو ان احکام کا کوئی اثر ہوا۔ نہ جموں کے
فرقہ دارانہ فادات کا۔ اور نہ ہی کشمیر آرڈیننس کا۔ وہ چاہتے
تھے کہ قادیانیوں پر بازی لے جائیں۔ انہیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ
مسلمانان ریاست کے بھی حاصل کرتے۔ وہ والٹیروں کو بھرتی کرتے جاتے
تھے۔ اور جھٹے بھجھتے رہے۔ ریاست میں سات ہزار کے قریب والٹیر
گروہ آکر لئے گئے۔ اور اس سے بھی زیادہ پنجاب کی جلیوں میں بھر
دئے گئے۔

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے۔ جموں کے مسلمانوں کا ایک حصہ
احراریوں کے زنجیر میں آگیا تھا۔ اور وہ ان کے ساتھ ساتھ کام کر
رہے تھے۔ لیکن کشمیری مسلمان اب گلینی کمیشن کے سامنے جو مواد رکھنے
کے لئے سرگرمی سے کام کر رہے تھے۔ انہوں نے مٹر اللہ رکھا ساغر
کی گرفتاری پر پریوینٹ کا ایک ریزولیوشن پاس کر دیا۔ لیکن اس سے
زیادہ کچھ نہیں۔

جموں کے ایک اور لبرل قاضی گوہر رحمان بھی احراریوں
کے ساتھ مل گیا۔ اور اُس نے میر پور کی طرف دیہات میں بول بلیغی
کا پرچار کیا۔ لوگوں کو بتایا کہ وہ مالیانہ ادا نہ کریں۔ اُس نے ایک

اشتعال انگیز بیان شائع کیا۔ میرپور کی طرف زیادہ فوج کے ریٹائرڈ
شدہ ملازمین رہتے تھے۔ وہ اس سے بہت مشتعل ہوئے۔ اور
اُس علاقہ میں شدید ترین فرقہ دارانہ فسادات مچ گئے۔
مسلمانوں کی تحریک میں یہ فسادات بھی وجہ تباہی و تاراج
کنج کے لوٹ کی طرح بدنام و برباد ہیں جن سے اُن کی آزادی کی
جنگ دشمنوں کی نظر دلوں میں بکروہ فرقہ دارانہ جدوجہد
شمار ہونے لگی۔

جموں اب ناشدنی فسادات کا آماجگاہ بن گیا۔ میرپور
میں گاؤں کے گاؤں خراب کر خاکی ہو گئے۔ اس علاقے میں انہیں
بھی نہ بھتیں۔ اس لئے فوج یا پولیس مصیبت زدگان کی امداد کے
لئے وقت پر نہ پہنچ سکی۔ بلکہ کئی دن تک یہ بھی نہ صلا کہ اس
علاقہ میں کیا ہو رہا ہے۔ صرف ہوائی جہاز کے ذریعہ کچھ کچھ
حالات دریافت کیے جاتے تھے۔ اُس علاقہ کو ایک برطانوی
انگریز کے ماتحت رکھا گیا جس نے گورہ فوج کی امداد سے علاقہ میں
امن کرنا شروع کر دیا۔ قاضی گوہر رحمان کو گرفتار کر لیا گیا۔

کشمیری مسلمانوں پر اُن حالات کا کوئی خاص اثر
نہ پڑا۔ مسلم مناسدگان نے ایک خاص ٹینگ میں جس میں شیخ محمد عبد
اور میر واعظ یوسف شاہ دونوں حاضر تھے۔ منعقد کر لیا کہ
نورمیں پسند احرار یوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھنا چاہیے۔ وہ سمجھتے
تھے کہ ان کے ساتھ تعاون کرنے سے وہ حکومت مستبد اور

حکومت کشمیر دونوں کی سمجھداری ٹھوس ٹھیکے۔ اس لئے وہ چپ چاپ
کلینی کمیشن کے کام میں مشغول ہو گئے۔

لیکن قدرت کو ایسا منظور نہ تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ مفتی ضیاء الدین
آف پوچھنے کے چند خطوط حکومت کشمیر کو حاصل ہوئے جس میں اُس نے
عبد الرحیم درو کو حکومت کشمیر کے خلاف کچھ کارروائی کرنے کی
درخواست کی تھی۔ اپنی رعیت کی یہ کارستانی مہاراجہ ہمایوں کو ناگوار
گزری۔ اس لئے مفتی کو کشمیر سے نکالے جانے کا حکم جاری ہوا
شیخ محمد عبداللہ لو خدر شاہ ہوا کہ اگر مفتی ضیاء الدین کو اس موقع
پر نکال دیا جائیگا۔ تو خاموش کشمیر پھر ایک شعلہ زار بن جائیگا۔ اس
لئے اُس نے ٹھاکور (اب راڈ ہاؤس ٹھاکور) کو تارنگہ گورنر کشمیر سے مل کر
درخواست کی کہ حکومت سے درخواست کی جائے کہ وہ اس موقع
پر ایسا قدم نہ اٹھائے۔ ٹھاکور کو تارنگہ نے مشورہ دیا کہ آپ وزیر عظم
کے ساتھ فون پر ملیں۔ شیخ محمد عبداللہ نے اقرار کیا۔ لیکن جب وہ
فون پر ملنے گئے۔ تو اُن کو دو گھنٹہ تک وہاں بٹھرایا گیا۔ اور اس عرصہ
کے اندر اندر مفتی ضیاء الدین کو لاری پر سوار کر کے جموں کی طرف روانہ کر
دیا گیا۔ مگر کلینی بھی اس کے قبل اپنے رفقاء کے ساتھ جموں چلے گئے
تھے۔ شیخ محمد عبداللہ اُن سے ملے۔ اور واقعات بیان کر دئے
مگر کلینی نے مشورہ دیا کہ وہ خاموش رہیں۔ اور متاعل عوام کو بھی
پپ کرنے کی تلقین کریں۔ لیکن حکومت کشمیر نے شیخ محمد عبداللہ
کو اپنے مکان پر پہنچتے ہی زبان بندی کا حکم دیا۔ لیکن مسلمان مشعل ہوئے

تھے۔ اس لئے مجھ کے روز نماز ادا کرنے کے بعد آپ کے لوگوں کو پُر زور
 تلقین کی کہ وہ حکومت کی اس کارروائی سے برا فروختہ نہ ہو جائیں۔ اور
 واقعات کا امن سے مشاہدہ کرنے میں۔ آپ کے اُن سے یہ بھی کہا کہ
 جموں جا کر وہ ان ناخوشگوار واقعات کو درست بنانے کی کوشش
 کریں گے۔ مسلمانوں کا جوش اس تفسیر سے ذرا اٹھنا شروع کیا۔
 حکومت نے ۱۹۔ اپریل آرڈیننس جاری کر دیا تھا۔ اس لئے
 اُس نے یہ برداشت نہ کیا۔ کہ شیخ محمد عبداللہ کوئی تقرر کرے۔ اس لئے
 اسی تقریر کی بنا پر اُس کو شام کے وقت ۱۳ جنوری ۱۹۳۷ء کے روز
 اپنے بوس بوتھ میں گرفتار کر لیا گیا۔ بوس بوتھ کی تلاشی لی گئی۔ اور
 وہ تمام سامان کاغذات تھے کہ ٹائپ رائٹر تک جو گھنسی کمیشن کے
 سامنے مسلمانوں کی شکایات ضبط تحریر میں لانے کے لئے استعمال کیا
 جا رہا تھا۔ ضبط کر لئے گئے۔ شیخ محمد عبداللہ کو حربہ لقمہ
 بادامی باغ کو اور ٹرگاڑ میں لے جایا گیا۔ اور وہاں اُن پر آرڈیننس
 کے ماتحت معاذرہ چلا یا گیا۔ آپ کو اپنی تقریر پر ہلکے سنائی گئی آپ
 نے تسلیم کیا کہ یہ تقریر بہت حد تک درست ہے۔ فاضل جج نے مختصر
 سماعت کے بعد آپ کو چھ ماہ کی اس لئے سزا دی۔ کہ آرڈیننس کی رو
 سے کوئی تقرر کرنی قابل سزا تھی۔ لیکن جج نے یہ بتا دیا کہ تقریر
 خلاف قانون نہ تھی۔ اور اس سے حکومت کو فائدہ پہنچ سکتا تھا
 نقصان نہیں۔ کیونکہ اس سے شغل مجرم ٹھنڈا ہو سکتا تھا۔ آپ
 کو جیل پینل فیڈی کے سنٹرل جیل روانہ کر دیا گیا۔

جیسی کہ توقع تھی۔ اس گرفتاری سے پھر بد امنی پیدا ہو گئی
 ریاست کے کونے کونے میں بلجلی مچ گئی۔ جلسے جلوس۔ اور دیگر مظالم
 پھر سے شروع ہو گئے۔ اور یہ مطالبہ خالص گیر مونی لگا کہ شیخ محمد عبداللہ کو
 رہا کر دیا جائے۔ ہجوم کئی جگہوں پر قابو میں نہ رہ سکا۔ اور پولیس کو لاٹھی چارج
 کرنا پڑا۔ اور فوج کو گولی چلانی پڑی۔ سردی کی وجہ سے لوگ کانگڑیاں لے
 لئے تھے۔ جو پولیس پر پھینکی جاتی تھیں۔ بارتمولہ۔ سولور۔ اور ادری میں گولی
 چلائے جانے کے باعث کئی آدمی مارے گئے۔ اور کئی زخمی ہوئے۔ والیٹر
 دھڑا دھڑا چل جا رہے تھے۔ اور باراتات الیا معلوم ہوتا تھا۔ کہ
 ملک میں امن قائم نہ ہو سکیگا۔ لیکن جاٹے کی وجہ سے جلد ہی ہی حالات
 پر قابو پالیا گیا۔

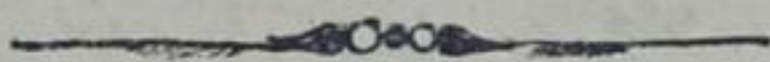
صوبہ جموں کے میرپور کے علاقہ سے نہایت ہی امنوناک اطلاعات
 موصول ہو رہی تھیں۔ لوٹ۔ غارت گری۔ قتل۔ آتش رنی۔
 اس تمام ڈسٹرکٹ میں مہم ہو گیا تھا۔ اور یہ فسادات آہستہ آہستہ پھیل رہے
 تھے۔ کوئی اور پوچھ میں بھی اس کا اثر ہوا۔ اور نال راہہ کو قلعہ کے اندر پناہ
 گزیں ہونا پڑا۔ برطانوی فوج کی آمد اور امداد سے کچھ عرصہ کے بعد فسادات
 کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور حالات کچھ بہتر ہونے لگے۔ اب کشمیر میں انگریزوں نے
 اپنا ڈیرہ ڈال دیا تھا۔ اور اس سکیم کی تکمیل کے لئے حکومت ہند
 کی طرف سے ہمارا جہ بہادر سری سنگھ کو اتار دیا۔ کہ وہ ایک انگریز
 وزیر اعظم کو لازمیت میں لینا منظور کرے۔ اس کو الیا کرنے کے بعد
 اور چارہ بھی کیا تھا۔ چنانچہ ہمارا جہ بہادر نے پولیس کیل ڈیپارٹمنٹ

سے کسی تجربہ کار آفیسر کی خدمات عطا کرنے کے لئے درخواست کی۔ گورنر جنرل نے کرنل کالون کو اس کام کے لئے منتخب کیا۔ ماہ مارچ کی اسٹا میں ہی کرنل کالون نے اپنے لئے عہدے کا چارج لیا۔ اور دہلی ہری کشن کو مل سکشن کر لیا گیا۔

گلبنی کمیشن نے بھی ماہ مارچ کے وسط میں اپنا کام ختم کر لیا۔ اور اپنی رپورٹ بہار راجہ بہادر کی خدمت میں پیش کر دی۔ سر گلبنی کی صدارت میں بہار راجہ بہادر کے ۱۲ اراکین کے احکام کے مطابق ایک کونسل کانفرنس منعقد ہوئی جس میں فرقہ جات کے نمایندگان شامل تھے۔ اس میں ریاست کے لئے لیجلیو اسلٹی کا ڈھائی چہرہ متیار کیا گیا۔ اور یہ رپورٹ بھی امپریل کے وسط میں حکومت کے پاس بھیج دی گئی۔

گلبنی کمیشن کی سفارشات کو بہار راجہ بہادر نے منظور کر لیا۔ اس سے مسلمان مسلمین ہوئے۔ اور ہر طرف سے اظہارِ شکر ہوئے لگا۔ ریاست کے اندر اور باہر مسلم رہنماؤں نے ان سفارشات کے منظور کئے جانے پر حکومت کی دور اندیشی اور حسن تدبیر کی داد دی۔ لیکن کشمیری پٹنوں کا ایک حصہ اس رپورٹ کی چند سفارشات سے ناراض ہوا۔ اور انہوں نے سرسنگر میں ایچی ٹیشن شروع کر دی۔ چند دن کے لئے ایچی ٹیشن زوروں پر رہی۔ سو سے زیادہ نوجوان جیل بھی گئے لیکن پھر اس تحریک کے رہنماؤں نے اس شرط پر کہ وہ آئندہ کوئی غیر انجینی ایچی ٹیشن نہ کریں گے۔ آزادی حاصل کر لی۔ حکومت نے مناسب سمجھا۔ کہ اس شرط پر مسلم سیاسی قیدیوں کو بھی رہا کر دیا جائے

شیخ محمد عبداللہ نے مثل سابقہ لکھ دیا کہ جائزہ حقوق کے مطالبہ کے لئے وہ ہمیشہ لڑتے رہیں گے۔ لیکن غیر آئینی ایجنڈیشن میں نہ کبھی حصہ لیا ہے۔ نہ لیں گے۔ اس شرط پر ان کو سودیگر رفقا کے ہم جون کے روز سنٹرل جیل سے رہا کر دیا گیا۔



جموں شہر کا فلسفہ

سنڈل جیل سے رہا ہونے پر شیخ محمد عبداللہ کا آنداز ملک میں انتہائی رعب تک پہنچ گیا۔ اب سیاسیات کشمیر میں اُس کی شخصیت نمایاں طور پر ظاہر تھی۔ لوگ اُس کو پوجتے تھے۔ اور دیہات میں اُس کو ایک ولی سمجھا جاتا تھا۔ اس ہر دلخیزی سے میر واعظ یوسف شاہ ولی دِل میں کڑے لگا اُن کی قیسی گرفتاری پر میر واعظ نے جامع مسجد کے اندر اپنے ایک وعظے دوران میں بتا دیا تھا۔ کہ گرفتار ہونا۔ بے ایمانوں اور کافروں کا کام ہے۔ مومن کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جس کی بنا پر اُس کو جیل بھیجا جائے۔ اس سے مسلمانوں کے درمیان بڑی سنسنی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن چونکہ میر واعظ نے اس وعظ میں شیخ محمد عبداللہ کی ذات کے خلاف کوئی کلمہ نہ کہا تھا۔ اور چونکہ لوگ تحریک کے ساتھ زیادہ شغول تھے اس لئے اُس وقت اس بات پر زیادہ دھیان نہ دیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ الی رانی کے کچھ عرصہ بعد ہی یہ اختلافات بہت حد تک بڑھ گئے۔ اور ان کے جو تباہی برآمد ہوئے اُن کے متعلق مفصل طور آگے چل کر لکھا جائیگا۔ سر دست ہم شہر عبداللہ کی دوسری سیاسی سرگرمی کی نسبت کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔

گلنسی کمیشن رپورٹ کا مطالعہ کرنے پر شیخ محمد عبداللہ کو
 معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی قربانیاں رنگ لائی ہیں۔ اور ان کے جتنے
 بھی جائز مطالبات تھے۔ وہ کما حقہ منظور کر دئے گئے ہیں۔ اس نے
 دیکھ لیا کہ فی الحال ان کی تعلیمی اور سیاسی ترقی کو ملحوظ نظر رکھتے
 ہوئے جو کچھ دیا گیا ہے کافی ہے۔ اس لئے اگر ابہن آئندہ لئے پھر
 جدوجہد میں شامل ہونا پڑے۔ تو اس کے لئے ایک ہی آئینی جائزہ
 اور آسان طریقہ ہے۔ کہ ملک میں کوئی سیاسی تنظیم قائم کی جائے۔
 آپ نے اہل کرنے کے لئے اپنے رفقاء سے صلح مشورہ کرنے کے بعد
 ایک اکھن کی داغ بیل ڈالنے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔ اور
 جتنا بھی وقت آپ کے پاس تھا۔ آپ اسی فکر میں غلطان و پیچاں
 میں رہے کہ اس تنظیم کو قائم کر دیا جائے۔ ابھی آپ اسی فکر میں مبتلا
 تھے کہ سمبر کے میڈیے میں شہر سمرنگر فرقہ دارانہ فسادات کے بھنور میں
 پھنس گیا۔

ہمارا جہ کشمیر کی سالگرہ کے سلسلے میں شہر میں صفائی مہفتہ منانے
 تھے۔ اور ان دنوں جلسے اور جلوس منعقد ہوتے تھے۔ جن میں لوگوں پر صفائی
 کی اہمیت واضح کر دی جاتی تھی۔ اس مہفتہ سے پیشتر حکومت کشمیر
 کے محکمہ تعلیم نے "کرننگھ" و "ظائف" کو مختلف اقوام کے طلباء میں تقسیم
 کیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ کشمیری سڈٹ طلباء کے حصے میں بہت
 کم آیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ناراض ہو گئے۔ اور ان کو مشورہ دیا گیا
 کہ وہ صفائی کے مہفتہ کے جلوس کا بائیکاٹ کر دیں۔ مسلمان طلباء نے

۲۱ ستمبر کے روز دل کھول کر حصہ لیا۔ شہر میں ڈیوڑھیوں بنائی گئی تھیں
چند کشمیری پنڈت لڑکے تماش بینوں کی حیثیت سے بربلب سڑک تماشہ دیکھ
رہے تھے۔

” بتایا جاتا ہے کہ ایک مسلم رہنما کی تصویر کو چھپانے پر لڑائی ہوئی جو
شہر کے تمام حصص میں پھیل گئی۔ بہت جگہوں پر خوب پتھر برسائے گئے
فوج تعینات کیا گیا۔ اور کرفیو آرڈر بھی نافذ کیا گیا۔“

جب جلوس شہر سے گزر رہا تھا جبہ کدل پہنچنے پر فرقہ دارانہ
فادات شروع ہو گئے۔ ہندو طلباء جو جلوس کا نظارہ دیکھ رہے تھے
شیل زماحت کی طرف چلے گئے۔ وہاں جمع ہونے پر ان کے ایک بزرگ نے
ہدایت ہی غیر دانشمندانہ طور پر ایک تقریر کی جس سے وہ شعل ہوئے

۲۲ ستمبر کو شہر میں بد امنی پھیل گئی۔ اور فرقہ دارانہ فادات
شروع ہو گئے۔ مٹری نے کئی جگہوں پر ہجوم کو منتشر کیا۔ لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا

۲۳ ستمبر کے روز چاراجہ بہادر کی سالگرہ تھی۔ اس سلسلہ میں
تمام پروگرام کو منسوخ کیا گیا۔ کیونکہ اس روز شہر کے اندرونی حصص

میں بد امنی پھیل گئی۔ شہر میں مکمل ہڑتال تھی۔ صرف چند دکانیں ریڈیو کی
سڑک پر کھلی تھیں۔ بہت کم طلباء سکول میں حاضر ہو سکے۔ کچھ کھرب

لا لیل میں دفتر لائے گئے۔ پنڈت جلال کلم کے مکان کا مسلمانوں نے
محاصرہ کر لیا۔ پنڈت مذکور اور اس کا لقبہ لاری میں مٹری گاؤں کی طرف

خالصہ ہوٹل میں لایا گیا۔ زخمیوں کی تعداد ۲۵۵ ہے جس میں ۸۲
ہندو اور ۶۲ مسلمان ہیں۔ ایک کشمیری پنڈت اور ایک مسلمان عورت

کے مرجلے کی اطلاع ملی ہے۔ شہر کے تمام ڈاک خانے بھر جیل ڈاکخانے کے بند ہیں۔ ڈاک یا مٹی نہ جاسکی۔ پولیس اور مٹری شہر کی گشت لگا رہی ہے۔ کالے

جب فادات کی خبر دیات میں پہنچ گئی۔ تو وہاں بھی لڑائی جھگڑ شروع ہو گئی۔ خیانتہ اہل ناگ میں چند مفندوں نے مفند و دکانوں کو لوٹ لیا۔ اور کئی آدمیوں کو زخمی کر دیا۔

۱۵ ستمبر کے روز بھی حالات میں کچھ فرق دکھائی نہ دیا۔ مسلمان محلہ سے نہ جاسکتا تھا۔ اور مسلمان بھی مفند و محلہ کے درمیان سے گزرتا تھا۔ از خطہ نہ پاتا تھا۔ سینکڑوں آدمی زخمی ہو چکے تھے۔ کئی ہلاک بھی ہو گئے۔ لیکن فادات کی آگ فرو نہ ہو سکتی تھی۔

حکومت کشمیر کی تمام شیریں ان فادات کو روکنے کے لئے استعمال کی گئی۔ لیکن بیکار ثابت ہوئی۔ شیخ محمد عبداللہ نے دکھایا کہ بے گناہ لوگ مصیبت کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور اس کی وجہ صرف چند اصحاب کی غرضمندی ہوئی۔ تو آپ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر مفند و اور مسلمانوں کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کی سعی کی۔ جہاں سے بھی فادات کی اطلاع آتی۔ آپ موقع پر پہنچ کر مفند و اور مسلمانوں سے عرض کرتے۔ کہ وہ ملک اور مادر وطن کے نام کو بدنام نہ کریں۔ آپ نے ان دلوں میں اپنے عمل سے مثال قائم کر لی۔ کہ اگر کوئی دل سے مفند و مسلم اتحاد کا خواستہ مند ہو۔ وہ اس کے لئے کس طرح کام کر سکتا ہے۔ چنانچہ اخبار رٹربون کا نامہ نگار لکھتا ہے کہ

مہ گوند رام نامی کشمیری نیڈت کی لڑکی تین دن سے مر چکی تھی
لیکن فرقہ دارانہ فساد کی وجہ سے جلائی نہ جاسکی۔ کشمیری نیڈت مسلم
لیڈر مسٹر۔ الیس۔ ایم عبد اللہ کے پاس گئے۔ اور انہوں نے اس
کے جلائے جانے کا انتظام کیا۔

حقیقت تو یہ ہے۔ آپ کے اس اخلاق کو دیکھ کر غیر مسلم
بھی آپ کے گرویدہ بن گئے تھے۔ اور جب آپ نے ۲۵ ستمبر کو منہ
مسلم اتحاد کے لئے اپیل کی۔ تو سبھوں نے اس کا لبیک کیا۔
دونوں بچے کے قریب ہندو مسلمانوں کے رہنا گولن باغ
شیر گڑھی میں جمع ہوئے۔ جہاں ہزاروں لوگ بھی اکٹھے ہوئے تھے۔ شیخ
محمد عبد اللہ نے اس جلسہ میں تقریر کی۔ اور لوگوں کو بتایا کہ وہ ایک
قوم پرست ہیں۔ اور کشمیر کو حنت دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے
بعد کئی اور اصحاب نے بھی تقریریں کیں۔ ہندو مسلم فسادات کو آئندہ
روکنے کے لئے ایک اتحادی بورڈ بھی اس جلسہ میں قائم کیا گیا۔ اور
شام کو شہر کے درمیان سے ایک جلوس نکالا گیا جس میں اتحاد کے
متعلق تقریریں ہوئیں۔ اس طرح سے اس شدید فرقہ دارانہ فساد کو
روک لیا گیا۔

اب شیخ محمد عبد اللہ پھر کشمیر مسلم کانفرنس کی داغ بیل
ڈالنے کی طرف نکل گئے۔ آپ کے کئی رفقاء نے کہا کہ ایک ایسی
نظیم کی اگرچہ ملک میں سخت ضرورت ہے۔ لیکن اس کو معرض وجود
میں لانا مشکل ہے۔ لیکن آپ کی ان تھک کوشش احداثات دین

کی دوڑ دھوپ کے بعد یہ فیصلہ ہو کر ہی رہا۔ کہ ایک انجمن کو قائم کیا جائے جس کا نام آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس ہو۔ اور اس کا پہلا اجلاس ۱۹۱۵-۱۶ اکتوبر کو منعقد کیا جائے۔

شیخ محمد عبداللہ نے چاہا تھا کہ کسی قومی کارکن کو اس جلسہ کی صدارت کے لئے منتخب کیا جائے لیکن تمام کارکنوں کی متفقہ خواہش تھی کہ شیر کشمیری ان اہم فرائض کی انجام دہی سنبھالنے قابل تر ہیں ہوتی ہو سکتی ہے۔

مجموعوں کشمیر پولیٹیکل کانفرنس کا پہلا اجلاس کل تمام کورسنگر میں شروع ہوا۔ سرنگر اور دیہات کی مسلم آبادی پر مشتمل ایک بھاری تعداد لوگوں کی جلسہ میں حاضر تھی۔ یہ کشمیر میں اپنی قسم کی پہلی کانفرنس ہے۔ اس لئے سرگرمی بہت دکھائی دیتی تھی۔ لوگ باتا عہدہ طور پر کارروائی کو دیکھتے تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کو حاضرین نے جوش بھرا خوش آمدید کہا۔ جب وہ کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے جموں و کشمیر کے ڈیلیگیٹوں نے تقریریں کیں۔

کانفرنس کا یہ پہلا اجلاس عالی شان ثابت ہوا۔ اس میں ہر فرقہ کے لوگ شامل ہوئے تھے۔ حنفی شیعہ سنی اور قاضی بھر شیخ محمد عبداللہ کی کوششوں سے یکجا ہو چکے تھے۔ میر واعظ یوسف شاہ کا پہلا جوش بھر عود کر آیا تھا۔ اور وہ بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے۔ مرزا انی اور غیر مرزا انی کے جھگڑے کو انہوں نے پس پشت ڈال کر قومی کام کو آگے دھکیل دیا تھا۔ پھر مسجد

پانچ دن کے لئے ایک زیارت گاہ بن چکی تھی۔ اور ایسا دکھائی دیتا تھا۔
 کہ صدیوں کے خفقہ کشمیری پھر بیدار ہو چکے ہیں۔
 اس کانفرنس میں ہندو بھی شامل ہوئے تھے۔ گو ان کی حیثیت
 وزٹریٹ کی سی تھی۔ اور وہ کارروائی میں کوئی حصہ نہ لے سکتے تھے
 لیکن پھر بھی شریک ہوئے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ نے اپنے خطبہ صدارت میں گذشتہ سال کے
 تمام واقعات پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد مسلمانوں کو بتلایا۔ کہ ان کے
 مطالبات کیا تھے۔ اور ان میں سے کون سے منظور ہوئے ہیں۔ اور
 باقی کیا رہا ہے۔ حکومت کو اس نے بتا دیا۔ کہ اس اسمبلی کو ایک
 سال کے اندر اندر معرض وجود میں لایا جائے۔ جس کا مسلمانوں نے
 مطالبہ کیا ہے۔ کیونکہ مسٹر گلنسی کی سفارشات اس معاملہ کے تعلق
 نسلی بخش نہیں۔ جو دیگر سفارشات مسٹر گلنسی نے کی ہیں۔ ان کو جلد ہی
 عمل میں لایا جانا چاہیے۔ اور جن مطالبات کو منظور نہ کیا گیا ہے
 ان کے لئے ہمیں اس عرصہ میں ملک کے چار گوشوں سے نقدی
 پر زور دے رہنا چاہیے۔ تاکہ حکومت کو خیال نہ ہو۔ کہ مسلمان
 ان امور پر جو کلائسی کمیشن نے منظور کئے ہیں۔ مطمئن ہو گئے ہیں
 اور ان کی آنگلیں وہیں پر ختم ہو گئیں ہیں۔

لیکن سیاسی سرگرمیاں ہی ایک قوم کو شہر کی طرف نہیں
 پہنچاتیں اس لئے آپ نے مسلمانوں کو تعلیم نواں یوشل
 ریفارم۔ صنعت و حرفت۔ صحت و عشرہ ضروری چیزوں کی

طرف راعنہ ہونے پر بھی انتہائی نور دیا۔

فرانس میں متعدد ریزولوشن پاس کر دئے گئے جن میں حکومت سے اسلحہ ملنے لگی کہ سلاخوں کی ان شکایات کو مدد کیا جائے۔ جن میں تبدیلی مذہب پر ضبطی جاوے اور ملازمتوں میں آبادی کے لحاظ سے بھرتی۔ مالیہ میں تخفیف۔ فوج میں بھرتی۔ سیاسی قیدیوں کی رہائی۔ میرپور علاقہ سے ہنگامی قوانین کا ہٹایا جانا۔ جاگیر پچھنے کے باشندگان کو اسمبلی میں حق نمائندگی وغیرہ اہم تھیں۔ ۱۷

ایک قرارداد کی رو سے صدر کانفرنس کو حق دیا گیا تھا کہ وہ چار مہینے کے بعد جنرل کونسل کا اجلاس بلا میں جس میں دیکھا جائے کہ حکومت نے گھنٹی کمیشن کی سفارشات پر عمل کیا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کوئی لائحہ عمل تیار کر کے حکومت پر دباؤ ڈال دیا جائے کہ وہ ایسا کرے۔

کانفرنس کا کام ختم ہو جانے پر شیخ محمد عبداللہ بیرون پانچ چلے گئے۔ اور وہاں رہنمایان سند سے تبادلہ خیالات میں مصروف رہے۔ متواتر کام کرنے کی وجہ سے آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ کسی ماہر ڈاکٹر سے صحت کے متعلق مشورہ بھی لینا چاہتے تھے۔

۱۷ دسمبر کو جموں میں سلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں حکومت کو پھر تنہا کی گئی کہ وہ کانفرنس کے گذشتہ اجلاس میں پاس شدہ قراردادوں کی طرف توجہ ہو۔ اور تقریر اور انجمن بنانے کی آواز ادا جلدی دی جائے۔

شیخ محمد عبداللہ ۲ جنوری ۱۹۳۲ء کے روز پنجاب سے

سرنگرداپس پہنچے۔ آتے ہی آپ سچر سیاسی کام میں مشغول ہوئے
 کانفرنس نے جو چار فیصلے کا الٹی میٹیم گورنمنٹ کو دے رکھا تھا۔ اُس کی
 میعاد ۱۶ فروری کے روز ختم ہونی تھی۔ اس لئے ۱۳ فروری کو آپ
 نے ممبرانِ ورکنگ کمیٹی کے نام ایک کشتی مراسلہ روانہ کیا جس میں
 آپ نے حکومت کی غفلت اور تاہل کی سخت تسکایت کر دینے
 بجائے لکھا کہ۔

درگھنی سفارشات مسلمانوں کے اصل ترین مطالبات
 کو بھی پورا نہیں کریں۔ بسکین افسوس کا مقام ہے کہ یہ سفارشات اور
 احکامات کا غدی حد سے نہ بڑھنے پائیں چنانچہ مساجد و مقابر حق ملکیت
 زمین قیام آجمن ہاؤس و پٹیٹ فارم کی آزادی۔ اسمبلی کا اقتدار تعلیم حاصل
 کرنے کے لئے سہولیتیں۔ میرپور۔ راجوری۔ کوٹلی میں ہنگامی قوانین عمل میں
 اور میکیکل سکول کی خستہ حالت۔ ان سب امور کو معرض التوا میں ڈال دیا گیا
 ہے۔ اس لئے شہر شہر نے ارکانِ ورکنگ کمیٹی کے ممبران کو لکھا کہ وہ
 ۵ مارچ ۱۹۳۳ء کے روز اس سوال پر غور و خوض کرنے کے لئے جمع
 ہو جائیں کہ

درگھنی کمیشن کی سفارشات پر کہاں تک اور کس قدر عمل ہوا ہے
 اگر عمل نہ ہوا۔ تو کیوں نہیں ہوا۔ اور حصولِ مطالبات کے لئے کون سے
 ذرائع اختیار کئے جاویں۔

یہ کشتی مراسلہ جاری کرنے کے ساتھ ہی شیخ محمد عبداللہ نے سرنگر
 کے اندر نقاریہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور شہر میں لوگوں کو بتا دیا کہ اگر حکومت

اُن کے جاریہ مطالبات کو جو گلنسی کمیشن نے منظور کر دیا ہے
منظور نہیں کرتی۔ تو وہ درکنگ کمیٹی کے پروگرام پر چلنے کے لئے تیار ہو جائیں
آپ نے مندوؤں کے نام ایک اپیل بھی شائع کر دی کہ وہ اس تحریک میں
شامل ہو جائیں۔ کیونکہ جن مطالبات کے لئے وہ جدوجہد کی سچی کرنے لگے
تھے۔ وہ قومی تھے۔ اور سر ایک فرقہ پرکیاں اثر انداز ہوتے تھے۔ مگر عبداللہ
نے مندوؤں سے کہا کہ اگر وہ شامل بھی نہ ہو جائیں۔ مخالفت بھی نہ کریں۔
شیر کشمیر کی ان سرگرمیوں سے حکومت متحرک ہو گئی۔ اور

وزیراعظم کر نل کالون۔ مٹرو جایت حسین وزیر داخلہ کو ساتھ لے کر جموں
سے سرنگیر کی طرف شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ گفت و شنید کے لئے
چل پڑے۔ سرنگیر پہنچ کر انہوں نے مسلم نمائندگان سے تبادلہ خیالات کیا
جس کے بعد آپس میں چٹھیاں بھی بھیج دی گئیں جس میں اہم مطالبات
کے متعلق فیصلہ کیا گیا۔ شیخ محمد عبداللہ نے درکنگ کمیٹی کے مالدار
مارچ کو مفصلہ ذیل بیان پڑا۔

”گورنر کشمیر کی درخواست میں وزیراعظم سے فون پر
ملا۔ اور اُن سے کل شام کو ایک چٹھی بھی میری چٹھیا کے جواب میں
موصول ہوئی۔ جس میں انہوں نے مجھے مسلم مطالبات کے متعلق تبادلہ
خیال کرنے کا اظہار کیا تھا۔ انٹرویو جو اُن کے ساتھ ہوا۔ دو گھنٹہ تک
جاری رہا۔ وزیراعظم نے تسلیم کر لیا کہ گلنسی کمیشن کی چند سفارشات
کو عمل میں لائے جانے میں بہت درنگی ہوئی ہے۔ لیکن یہ ایسی رجوہات
سے ہوا۔ جو اُن کے اختیار میں نہ تھا۔ وزیراعظم خاص شکایات کو سننے کا

خواہشمند تھا۔" ۱۵

اس کے بعد مسلمانوں نے ایک مسمور علی بھجودیا۔ جس پر فوراً عمل
ہوا اور اہم سفارشات و مطالبات کو منظور کر کے حکومت نے عمل میں لایا۔ ان
میں ابن نبلسہ کی آزادی اور تقریر کی آزادی بھی تھی۔

محمد علی احمد

چوتھی گرفتاری ربانی اور اسکے بعد

پہلے دیکھ آئے ہیں کہ شیخ محمد عبد اللہ اور میر واعظ یوسف شاہ کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ اور یہ اختلافات روز بروز کسی طرح دور ہونے کی بجائے بڑھتے گئے۔ شیر کشمیر کی دوسری گرفتاری سے ربانی کے بعد ہی جلنے والوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اب ان کے درمیان خلیج پیدا ہو گئی ہے۔ جس کو پر کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن جہاں غرضمند اس خلیج کو دھت جیسے میں روز و شب کام کرتے رہتے تھے۔ وہاں دریا دل رکھنے والے جانتے تھے کہ اس سے ملک تباہ ہو جائیگا۔ اور مسلمانوں کا بننا بتایا کام بگڑ جائیگا۔ اس لئے وہ اسی فکر میں غلطان تھے کہ جس طرح سے ہو سکے۔ ان دونوں رہنماؤں کو اکٹھا رکھا جائے۔ ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ شیر کشمیر کو میر واعظ مہدائی کا طرفدار بتایا جاتا تھا۔ اس لئے جبکہ واعظ یوسف شاہ نے شیر کشمیر کی مخالفت شروع کر دی۔ تو میر واعظ مہدائی اس کا بطور سابقہ حریف بن گیا۔

شیر کشمیر کی ہردلعزیزی بدقسمتی سے میر واعظ اور ان کے تار ہلائے والوں کو شاق گذرتی تھی۔ لیکن یہ ہردلعزیزی اس کی مزید گرفتاریوں سے زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ اس لئے جب وہ تیسری بار گرفتار

میر و اعظم نے صریح طور کھلم کھلا ان کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا
 اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تو خود انتہائی طور پر غیر ہردلعزیز بن گئے۔ اور مسلمانوں
 کے اندر سنسنی پھیل گئی۔ شیخ محمد عبداللہ کی رہائی پر انہیں معلوم ہوا کہ ان
 کی ہردلعزیزی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اس لئے انہوں نے پھر کچھ عرصہ زبان
 پر تالا لگایا۔ لیکن اب تیر ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ وہ جہاں و غلط کرنے کو جاتے
 دنگ فاد ہو ہی جاتا تھا۔ کیونکہ شیر کشمیر کے بے شمار شہیدانی اُس کے
 غلط کو سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب ۱۹۲۲ء اگست ۱۹ء کی
 شام کو میر و اعظم یوسف شاہ امیر اڈلی سجد میں و غلط پٹنہ کو چلے گئے
 تو ایک بھاری فاد ہوا۔ ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ
 یوں تو کسی دنوں سے میر و اعظم اور شہ عبداللہ کی پارٹی کے
 فادات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن کل بہت بھاری فاد ہوا۔ ان کے پیڑھیل
 پولیس موقع پر آیا۔ طہری اور پولیس کے دستے بھی بلائے گئے۔ ہری سنگ
 ہائی سٹریٹ کو ٹریفک کے لئے بند کرنا پڑا۔

اس موقع پر حکام نے میر و اعظم کو بڑی شکل سے ہجوم کے
 دستہ شر سے بچایا۔ میر و اعظم یوسف شاہ کا طریقہ کار دیکھ کر میر و اعظم مہلانی
 نے بھی سجدوں میں و غلط شروع کر دیا۔ اس سے شہر کی فضا بگڑ گئی۔ اور
 ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ایک حکم دیا کہ میر و اعظم یوسف شاہ سوائے جامع سجد
 کے۔ میر و اعظم مہلانی سوائے خانقاہ محلہ کے اور شیخ محمد عبداللہ سوائے
 پتھر سجد کے اور کسی سجد میں و غلط نہ کیا کریں۔
 یہ آرڈر دو مہینے تک نافذ رہا۔ لیکن ستمبر کے آخری مہینے میں

فرقہ دارانہ فسادات شروع ہو گئے جن کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے۔ ان فسادات کے بعد آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا۔ شاید میر واعظ یوسف شاہ نے دیکھ لیا تھا کہ کشمیر کی مخالفت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے وہ بھی اس میں شریک ہوئے۔ لیکن اجلاس میں کشمیر کا بول بالا تھا۔ اور وہاں اسی کی طوطی بول رہی تھی۔ اس لئے حسد کی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ اور جب شیخ محمد عبد اللہ اس اجلاس کے بعد بیرون ریاست چلے گئے تو میر واعظ نے ان کے خلاف زبردست پروپیگنڈا شروع کر دیا۔

ہم آگے چل کر دیکھ لیں گے کہ شیخ محمد عبد اللہ کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ کیونکہ میر واعظ یوسف شاہ نے ان کے خلاف جو حربہ استعمال کیا وہ یہ تھا کہ شیخ محمد عبد اللہ مرزا الیٰ بنے جن کے ساتھ عام مسلمانوں کو چند شدید مذہبی اختلافات ہیں۔ اس پروپیگنڈا کی غرض و غایت یہ تھی کہ کشمیری مسلمان جو مرزا بولنے کے سخت دشمن ہیں شیخ محمد عبد اللہ سے بدظن ہو جائیں۔ لیکن ہم دیکھیں گے کہ اس کا الٹا اثر پڑا۔

۲۲ جنوری ۱۹۳۲ء کے روز مسجد نقشبند شاہ صاحب

میں میر واعظ اور شیخ محمد عبد اللہ کی پارٹیوں کے درمیان زبردست فساد ہوا جس میں طرفین نے ایک دوسرے پر کانگڑیاں پھینکیں۔ دو آدمیوں کو زبردست لیا گیا۔

اس فساد کے بعد ہر دو فرقین کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ سردار وزیر محمد خان سینیئر سٹنڈنٹ پولیس کے

دوبرو ایک معاہدہ پر دونوں رہنماؤں نے دستخط بھی کر لئے۔ لیکن جب
دل صاف نہ ہوں۔ تو معلوم ہے کس کام آتے ہیں۔

جب بیرون ریاست سے واپس آنے پر شیر کشمیر حسب
مبادیات مسلم کانفرنس اہم مطالبات منظور نہ کئے جانے کے خلاف
حکومت سے باز پرس ہوئے۔ تو میر واعظ یوسف شاہ کا پیر و پیگنڈا بھی دبا
گیا۔ شیخ محمد عبداللہ پھر بطرف لاہور روانہ ہوا۔

۲۶ اپریل کو عید بھتی۔ حکومت نے فیصلہ کر دیا تھا کہ اس روز
میر واعظ یوسف شاہ جامع مسجد میں وعظ کریں۔ اور میر واعظ محمد الی عید گاہ
میں۔ لیکن میر واعظ یوسف شاہ عید گاہ کو چلا گیا۔ اور میر واعظ محمد الی
جامع مسجد کے اندر گھس پڑا۔ اس سے زبردست فسادات رونما ہوئے
اور سیکڑوں آدمی زخمی ہو گئے۔ کیونکہ دونوں پارٹیوں کے افراد بہت مشتعل
ہوئے تھے۔ ۱۵

”بقر عید کے فساد کے سلسلہ میں حکومت کشمیر نے دونوں
میر واعظوں پر زبردفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ اڈیشنل
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے میر واعظوں سے ایک ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی
میر واعظ سہدانی نے ضمانت جے دی۔ لیکن میر واعظ یوسف شاہ نے
ضمانت دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہیں ۲۶ اپریل کو گرفتار کر کے اوچھپو
بھیج دیا گیا۔ میر واعظ کے پیر وکل نے زینہ کدل اور گرد و لواح میں مظاہر
کرنا شروع کر دیا۔ اور ایک جلوس شہر کے درمیان سے بھی نکالا۔ ۱۶
جس دن میر واعظ یوسف شاہ کو پولیس اودھم پور لیجاری بھی

اُس دن شیخ محمد عبداللہ جموں سے واپس آ رہے تھے۔ آپ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ملائی ہوئے۔ شیر کشمیر کا استقبال کرنے کے لئے ہزاروں لوگ سو نہ وار باغ میں جمع ہو گئے تھے۔ جہاں آپ نے تقریر کی۔ میر داغظ یوسف شاہ کو ۳۲ رسی کے روز صمنانت داخل کرنے پر سرسنگر واپس لا کر رہا کر دیا گیا۔ یہ ابھی تک معلوم نہ ہو سکا کہ صمنانت اُس کی رضا مندی سے داخل کر دی گئی تھی یا نہ۔ لیکن بتایا جاتا ہے کہ سید عطار اللہ شاہ کرپری نے بعد محم پور جا کر میر داغظ سے صمنانت داخل کرنیکی رضا مندی حاصل کی تھی۔

میر داغظ یوسف شاہ کی رہائی کے بعد پارٹی بازی کی سپرٹ زوروں پر آ گئی۔ شیخ محمد عبداللہ کے پیرواؤں کو ”شیر“ اور میر داغظ یوسف شاہ کے معتقدوں کو ”بکر“ کہتے تھے۔ دیہات میں تو سب لوگ شیخ محمد عبداللہ کے ہی پیرواؤں میں داخل ہوئے۔ فساد نہ ہوتا تھا۔ لیکن سرسنگر میں اس پارٹی بازی کی وجہ سے فسادات مچ رہے تھے۔

شیخ محمد عبداللہ اور میر داغظ یوسف شاہ نے اب ایک دوسرے کو سیاسی شکست دینے کے لئے تقریروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لیکن اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہ نکلا۔ کہ شہر کی فضا بہت بگڑ گئی۔ کشمیری بھٹلوں کا ایک بڑا حصہ تو مسلمانوں کی اس پارٹی بازی کو دُور سے ہی دیکھتا تھا۔ لیکن چند عاقبت نااندیش میر داغظ یوسف شاہ اور اُس کے تار پلانے والوں کے ساتھ ساز و باز کرتے

ہتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ ایسا کرنے سے شیخ محمد عبداللہ کو بچا
دکھا سکیں گے۔ ان آدمیوں کو تنبیہ کرنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ
نے ایک جوش بھری تقریر کی۔

حکومت کشمیر نے اپنے حکم جون کے کیونکہ میں اُن تمام
تقریروں کا خلاصہ دیا ہے جو آخر میں تک ہر دو طرفین کے مفروضوں سے
ہوتی رہیں۔ ۱۴ اگست کو شیخ محمد عبداللہ کی پارٹی کا ایک زخم خوردہ آدمی فوت ہوا۔
اس کو قبرستان نک لیا جانے کے لئے ایک جلوس نکالا گیا جس میں سچاوس ہزار
سے زیادہ آدمی شامل ہوئے۔ قبرستان پر تقریریں ہوئیں۔

حکومت کشمیر نے ۲۱ مئی ۱۹۳۳ء کو شیخ محمد عبداللہ مفتی
ضیاء الدین۔ غلام نبی گلکار۔ اور بخشی غلام محمد کو شہر پارٹی سے اور تین آدمیوں کو
میر و اعظم کی پارٹی سے گرفتار کر لیا۔

حکومت جانتی تھی کہ شہر کشمیر کو گرفتار کیا جانا آسان
کام نہیں۔ اس کے نتیجے سخت خطرناک ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے
۱۴۔ ایل کو بھی ساتھ ہی جاری کر دیا۔ اور شہر میں فوج تعینات کر دی۔
اخبارات کی اشاعت کو حکماً بند کر دیا گیا۔ لیکن اس آخری حکم کے
خلاف مدیران اخبارات نے زبردست۔ پروٹسٹ کیا۔
اور حکومت کو یہ بندش ہٹانی پڑی۔

شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کی خبر شہر میں پھیل گئی۔ تو
ہر طرف سے جلوس نکالنے شروع ہو گئے۔ ان کو روکا جاتا تھا۔ لیکن وہ آگے بڑھتے
تھے۔ جس وجہ سے کسی لاکھٹی چارج کئے گئے۔ امیر اکمل اور مالیمہ بازار میں

گولی چلائی گئی۔ جس سے کئی آدمی زخمی ہوئے۔ اور ایک مر گیا۔ فوجانوں نے
 دار کونسل بنا کر خانقاہ محلے میں تقریروں کا سلسلہ جاری کیا۔ اور ہر روز کئی آدمی
 گرفتاری کے لئے آگے آجاتے تھے۔ حکومت ان میں سے چند رضا کاروں کو تو
 جیل بھیجتی تھی۔ لیکن کئی سزائے زانیہ کا شکار ہونے لگے۔ چچا جیگہ وہ تعلیمیافتہ
 بھی ہوتے تھے۔ کئی عورتیں بھی گرفتار کی گئیں۔ ایک شمیری منڈت نے بھی گرفتاری
 کے لئے خانقاہ محلے میں اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ ایک سربراہ اور وہ یورپین لیڈی
 سرنڈ رسول کو بھی حکومت کشمیر نے ریاست بدر کر دیا۔ کیونکہ اُس نے منڈ و ہوٹل کے
 باہر والے بجوم کے ساتھ سمہردی کا اظہار کرتے ہوئے اُنہیں مالی امداد دی تھی۔
 مسلمانوں کا ایک جلوس ریزیدنسی روڈ کی طرف چل پڑا۔ اور منڈ و
 ہوٹل کے باہر دھڑا مار کر دو دن تک بٹھار ہا۔ حالانکہ زبردست بارش ہو رہی تھی
 رات کو لوگ مکانوں کی چیمبوں پر چڑھ کر نعرے لگاتے تھے۔ یہ بھی خلاف قانون
 قرار دئے گئے۔ ایک بجوم رات کے بارہ بجے وزیراعظم کی کوٹھڑی پر نعرے
 لگانے لگا۔ یہی حال مصلحات میں بھی تھا۔ اکتھور کوٹلی۔ کوگام۔ بارمولہ۔
 جھٹہ۔ سوپور۔ ڈوڈہ۔ حمل۔ منڈواڑہ۔ بانڈی پورہ۔ امنٹ ناگ۔ ہر جگہ جلوس
 اور جلے شروع ہو گئے۔ اور لوگ گرفتار ہونے لگے۔ موضع واپورہ تحصیل بدگام
 میں جلوس بدست دید لاکھٹی چارج کیا گیا۔ جس سے کئی آدمی زخمی ہوئے۔ اور
 ایک ہلاک ہوا۔ ریاست کے کئی قصبہ جات میں ہڑتال کر دی گئی تھی۔ اور
 سب مظاہروں کا مدعا یہ تھا۔ کہ شہر کشمیر کو رہا کر دیا جائے۔
 شیخ محمد عبداللہ کو حکومت گرفتار کر کے ریاست کے
 گئی تھی۔ آپ کی گرفتاری کے بعد حکومت نے بیان پر بیان نسلخ کر دیے

جس میں اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ اس گرفتاری سے پیدا شدہ حالات ایسے خطرناک ہو گئے تھے کہ غیر مسلم اخبارات کو بھی کشمیر کی ہرگز نہ کا ہوا ماننا پڑا۔ چنانچہ ہاٹھ کرشن والے اخبار روزانہ پرتاپ نے لکھا کہ میں شیخ محمد عبداللہ اور ان کے ساتھیوں کی رہائی کے فیصلہ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ بات نظر انداز نہ کرنی چاہیے کہ کشمیر میں ۱۰ فیصد ہی کے قریب مسلمان ہیں۔ ان کو برسہا برس پکار رکھ کر ریاست کا انتظام خوش اسلوبی سے نہیں چل سکتا۔

۹ جولائی کو شیخ محمد عبداللہ اور اس کے رفقاء کی گرفتاری کا ذکر برطانوی پارلیمنٹ میں بھی ہوا۔ جہاں سر سیمونل پور وزیر مہند سے اس معاملہ کے متعلق چند سوالات پوچھے گئے۔ ۱۰

مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ نے ایک خاص اجلاس میں اس بات پر غور و خوض کیا۔ چند مسلم رہنما حکومت کے ذمہ دار آفیسران سے ملاقی ہوئے اور بیان شائع کیا۔ جس میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ اگر وہ ایچی ٹیشن کو خیر باد کہیں گے۔ اور ملک میں امن قائم کریں گے تو حکومت گرفتار شدگان کو رہا کر دے گی۔ معطل شدہ ملازمان سرکار کو بحال کر دیں گی۔ اور شیخ محمد عبداللہ کی رہائی پر بھی غور و خوض کرے گی۔ ۱۱

اس اعلان کے سبب برصغیر میں امن ہو گیا۔ اور حکومت نے حسب وعدہ عمل کیا۔ شیخ محمد عبداللہ کو ریاستی جیل سے بٹھ لایا گیا اس کے بعد مسلم رہنماؤں نے حکومت کے پاس ایک ممبریل بھیج دیا۔ جس کے جواب میں یکم جولائی کو وزیراعظم نے لکھا کہ شیخ

محمد عبداللطیف اور اُس کے رفقا کو چھ مہینے کے بعد ہاگر دیا جائیگا۔ (بشہر طبرکہ۔
 (الف)، آج کی تاریخ اور چھ مہینے کی تاریخ کے درمیان نہ امن میں خلل
 آئے۔ اور نہ خلل امن کی دھمکی دے گا۔
 (ب)، صلح کیٹی جو پہلے ہی مقرر کر دی گئی ہے۔ فریقین کے تفرقات
 باہمی کا نتیجہ نہ رہے۔ جس سے فریقین مطمئن ہو جائیں۔ اور جو اس منہم کا ہو کہ
 ہمیشہ کے لئے امن کی بنیاد قائم ہو سکے۔

اس سے چند روز قبل مولوی عبداللہ اور شریعتی اور دھیمپور
 میں شیخ محمد عبداللہ سے ملائی ہوئے۔ جہاں ان کو گرفتاری کی وجہ سنائی گئی۔
 شیر کشمیر نے بتایا کہ

”جس قدر الزامات ہیں تمام غلط ہیں۔ ہاں اگر میرا جیل میں رہنا
 قوم کے لئے مفید ہے۔ تو میں بخوشی تمام مصیبتوں کو برداشت کرنے کیلئے
 تیار ہوں۔ لیکن نوجوانوں یا قوم کو کوئی پیغام نہیں بھیج سکتا۔ کیونکہ میں قید و
 بند میں ہوں۔ پیغام بھیجنا اپنی پوزیشن کے خلاف سمجھتا ہوں۔ میں ہمیشہ امن
 کی تعلیم دے رہا ہوں۔ جیل سے پیغام بھیجنے کا کیا مطلب؟“

شیخ محمد عبداللہ کے نام میں شریعتی انسپکٹر جنرل پولیس نے ایک
 چٹھی بھی بھیج دی تھی۔ جس کا جواب اُس نے جیل سے روانہ کیا تھا۔ اُس
 میں اُس نے لکھا تھا کہ میری اور میرے رفقا کی گرفتاری کو ایکٹ جانبدارانہ
 اور آزاد کمیشن ہی حق بجانب یا غیر حق بجانب قرار دے سکتا ہے۔ معا
 قومی کے لئے میں تمام مصائب و مشکلات برداشت کرنے کو تیار ہوں
 میرا اعظا یوسف شاہ اب شیر پارٹی کو دبانے کے لئے

حکومت کے ساتھ بالکل مل چکا تھا۔ اگرچہ ابھی بھی وہ اس بات سے مطمئن نہ تھا
لیکن حکومت کی طرف سے اپنی دونوں ایک حکم نافذ ہوا۔ جس نے بے سہے
تہنات کو اس معاملہ سے متعلق رفع کر دیا۔ ۱۷ جولائی کے روز کشمیر گورنمنٹ کے
پولیسکل ڈیپارٹمنٹ نے یہ آرڈر نکالا۔

”د حضور مہاراجہ بہادر نے منظور فرمایا کہ ایک تعزیری چوکی
چھ ماہ کے لئے ۱۰۱۷ سالوں سے مایسمہ میں تعزیر کی جائے۔ جس کے اخراجات
ایک ہزار آٹھ سو اٹھائیس روپیہ ہوں گے۔ جو ان استخاص سے وصول ہوں گے۔
جو نہ ہندو نہ سکھ نہ یوسف شاہی سلمان ہوں۔ اس حکم سے میر واعظ
سلمانوں میں اور بھی غیر ہر دلعزیز بن گئے۔“

حکومت کے ساتھ مسلم کانفرنس کے ارکان کے بھجوتہ کے مطا
شیخ محمد عبداللہ کی رٹائی اگست کے دوسرے ہفتہ میں متوقع تھی۔ لیکن
حکومت نے یہ سمجھ کر کہ ان کی رٹائی کی خبر سے پھر جوش نہ پھیل جائے ان
کو ۶ اگست کی رات کو بٹوٹ سے واپس لا کر ۷ اگست کی صبح کے وقت
بھپوارہ میں رہا کر دیا۔ اس خبر سے تمام شہر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔
ادھ بارش کے ہوتے ہوئے بھی ایک بھاری جلوس شہر کے درمیان سے
نکا لا گیا۔ ریاست کے قصبہ جات میں چراغاں کیا گیا۔ اور جلوس میں
حکومت کی اس کاہدہ والی پرشکر یہ کی قرار دہیں پاس کی گئیں۔

اب شیر کشمیر اور بھی زیادہ ہر دلعزیز بن گئے۔ اور
مسلم دلعزیز سلم اس کی تباہ خواہی کرنے لگے۔ چنانچہ ۵ اگست کی شام کو
حضور باغ میں۔ ہندو۔ سلمانوں۔ سکھوں۔ اور علیا میوں کا ایک

علم حلبہ منفقہ ہوا۔ جس میں آپ کو ایک سپانامہ پیش کیا گیا۔ اس حلبہ میں
 حاضرین کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب تھی۔ رالیان سرنگر کے علاوہ
 حلبہ گاہ میں حیدر پور میں لیڈیاں بھی تشریف فرما تھیں۔ اگرچہ حلبہ گاہ میں داخل
 ہونے کے لئے ٹکٹ خریدنا پڑتا تھا۔ لیکن پھر بھی لوگوں کا اتنا اثر دام تھا۔
 کہ نیڈال میں کل دھڑکنے کو بھی حکم نہ تھی۔
 اس سپانامہ کے بعد شیر کشمیر کو جاسپانامہ پیش کئے گئے
 گلبرگ گاندربل۔ بولپور۔ انتانت ناگ بارمبولہ وغیرہ علاقہ کا دورہ کرنے پر
 آپ کو مجبور کیا گیا۔ اور جہاں آپ جاتے تھے۔ آپ کا پرجوش استقبال کیا
 جاتا تھا

اپنی دلوں آپ نے ایک معزز مسلم خاتون کو رقیق زندگی بنادیا
 بیگم عبداللہ ایک انگریز عیسائی خاندان سے پیدا ہوئی ہے۔ آپ
 کے والد ماجد شری نیڈو نے استبدادی عمر میں ہی اسلام قبول کر کے ایک
 کشمیرن سے شادی کر لی تھی۔ جس سے بیگم عبداللہ پیدا ہو گئی ہے
 میر عبداللہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ملک باطن اور تنک میرت
 خاتون ہیں۔ اس شادی سے محافلین شیر کشمیر کے لئے پھر پوچھ گچھا
 کا موقع ملا۔ اور عوام میں یہ خبر پھیلا دی گئی۔ کہ اب شیخ محمد عبداللہ
 بالیکس سے علیحدہ ہو گئے۔ انہوں نے ایک عیسائی لڑکی سے شادی کر
 لی۔ لیکن جیسا کہ اخبار و تہ نامہ نگار خصوصی کا بیان ہے۔ کہ
 شیر کشمیر کا خیال اس شادی سے یہ تھا۔ کہ وہ
 ”قومی کام میں زیادہ سرگرم حصہ لیں۔ کیونکہ جس کے ساتھ

اُس نے زندگی کے باقی ایام گزارنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ تعلیم یافتہ خاتون اور قومی سپرٹ رکھنے والی ایک دیوی ہے۔ اس کے ساتھ کام کرنے سے وہ کشمیری کشمیری بہنوں کا سوشل مدھار کا کام بہت جلدی پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں گے۔

شاہی خانہ آبادی کے بعد شیخ محمد عبداللہ لاہور چلے گئے جہاں آپ نے آل انڈیا کشمیری کمیٹی کے ایک خاص اجلاس میں شرکت کی۔ اب کشمیری کمیٹی سے تمام قادیانوں کو نکالا گیا تھا۔ اور اس کے صدر سر محمد قبال بن چکے تھے۔ چونکہ شیخ محمد عبداللہ کی یہ چوڑھی گرفتاری صرف میر واعظ کے ساتھ اختلافات ہونے کی وجہ سے عمل میں لائی گئی تھی۔ اور چونکہ میر واعظ نے عالم میں بات شہر کر دی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ قادیانی ہے۔ اس لئے کشمیری کمیٹی کے جلدی ممبران نے آپ سے پہلے ہی سوال کیا کہ آپ کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ جب آپ نے مرزاعیت سے قطعی انکار کر دیا۔ تو ارکان کشمیری کمیٹی متحیر ہوئے۔

مخبر سائے والپی پرسلم کانفرنس کے دوسرے اجلاس کی تیاریاں ہو گئیں۔ شیخ محمد عبداللہ جاتا تھا۔ کہ اس سال کسی دوسرے قومی کارکن کو اس کا صدر منتخب کیا جائے۔ لیکن تمام کارکنوں کی اتفاق رائے تھی کہ دوسرے اجلاس کی صدارت کے مرزا یحییٰ دبی انجام دیں۔ تاکہ حکومت اور مخالفین کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانان کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے لئے اپنے دل میں کونسی جگہ رکھتے ہیں۔

۱۹۲۲ء
مسلم کانفرنس کا یہ دوسرا اجلاس ۱۵ - ۱۴ - ۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

کو میرپور میں منعقد ہوا۔ خطبہ صدرارت میں شیخ محمد عبداللہ نے حکومت سے شکایات کیں۔ جس میں آزاد خیال پریس پر پابندیوں، ضابطہ فوجداری میں دفعہ ۱۰۰ الف - تبدیلیئے مذہب پر حق وراثت کا نہ ملنا، لیجلیو اسمبلی کا عالم جج میں نہ آنا، یونیورسٹیوں کا موجودہ آئین، مسلمانوں کا ملازمت سرکار میں حصہ زراعت پیشہ طبقہ اور مزدوروں کی طرف لاپرواہی، قابل ذکر میں آپ نے مسلمانوں سے آپس کی کہ وہ ذاتی تنازعات کو چھوڑ کر شیر و شکر ہو جائیں اس اجلاس میں کئی قراردادیں پاس کی گئیں۔ جس میں سے ایک بمشور مال - سٹر - وی - این - بہتہ کے خلاف عدم اعتماد کی تھی۔

اس اجلاس کے اختتام پر شیخ محمد عبداللہ نے پنجاب چلے گئے۔ سرسنگر میں چند دنوں کے گزرنے پر حالات بگڑ گئے پولیس کے ایک مسلم اسٹنٹ پرنٹنگ ہاؤس حکیم حبیب اللہ کو انسپکٹری کے عہدے پر واپس آنا پڑا۔ لفظ ہریہ ایک ایسی معمولی بات تھی جس پر کسی ایجنٹیشن کا اٹھایا جانا۔ نہایت ہی غیر دانشمندانہ تھا۔ لیکن مسلم نیک منیر ایو - سی - الٹن نے اس شکایت کو وزنی بنا کر حکومت کے پاس ایک الٹی میٹم بھیج دیا جس میں کئی جائزہ اور ناجائز مطالبات پیش کئے گئے۔ اس الٹی میٹم کے جواب کے لئے حکومت کشمیر کو سات دن کی مدت دی گئی۔ اور ساتھ ہی وار کونسل کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ اور چلے بھی خانقاہ محلے میں ہونے شروع ہو گئے۔ حکومت نے اس الٹی میٹم کا جواب دیا۔ اور بتایا کہ اس پر غور و خوض کرنے کے لئے وقت

دیا جائے۔

۱۴ جنوری ۱۹۵۳ء کو ریسرچر محمد عابد تھکی۔ گورنر کشمیر نے یہ سمجھ کر کہ

پچھلے سال کی طرح میر واعظوں کے درمیان وناوندہ ہو جائے۔ عید گاہ میں ڈنڈا
پولیس تعینات کر دی۔ اور علی سجد کے اندر سہانی پارٹی کو نماز ادا کرنے کی
ممانعت کر دی۔ اس سے نوجوان سخت ناراض ہو گئے۔

ٹن میں ایک عظیم زمین کے متعلق ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کچھ
مدت سے تنازعہ چل رہا تھا۔ مندو کہتے تھے کہ یہ اٹن کے مندر کی جائداد ہے
اور مسلمان کہتے تھے کہ یہ ان کے خاندان کی زمین ہے۔ معاملہ ایک کمیٹی کے سپرد
کیا گیا۔ جس کے ممبر خواجہ حمید الدین شال۔ اور پٹت شوریان نوٹلار
ایم۔ اے۔ تھے۔ ابھی کمیٹی کی رپورٹ حکومت کے زیر غور ہی تھی کہ ٹن کے
مسلمانوں نے نماز عظیم پر سجد بنانے کی دھمکی دی۔ اس سے وہاں فضا حراب
ہو گئی۔

ان تمام باتوں کو شکایات بنا کر مسلم لیگ مینز ایو۔ سی۔ الین نے
سرنگر کے اندر ایچی ٹیشن شروع کر دی۔ اور خاندان سے ملے ایس جیلے ہونے شروع
ہوئے۔ مسلم نوجوانوں نے شیخ محمد عبداللہ اور دیگر ارکان مسلم کانفرنس سے
کوئی مشورہ نہ کیا۔

حکومت نے نہ ہر جنوری کے روز شہر میں دفعہ ۱۹۔ ایل کا نفاذ

کر دیا۔ اور سات آدمیوں کو جلا وطن کر دیا۔ اس کے بعد خاندان سے ملے ایس
بعد دیگر نوجوان ڈیپٹر بنے جاتے اور گرفتار ہوتے جاتے تھے۔
میر غلام حسین بختی غلام محمد گاندھی۔ کے علاوہ میر واعظ سہانی کی میدان

عمل میں آئے۔ پور گرفتار کر لئے گئے۔ میر و اعظم کو بلا وطن کسب گپ
 اُس دن معاملہ بہت بگڑ چکا تھا۔ لوگ سخت شغل ہو چکے تھے۔ اور اگر
 سر دیوں کے دین نہ ہوتے۔ حکومت کے لئے معاملہ کا سمجھنا نا ممکن نہ ہو
 جاتا۔

شہر اور مضافات میں بھی ہڑتال ہو گئی۔ جلسے ہونے لگے۔ جلوس
 نکالے گئے۔ حکومت نے مازیانہ کی سزا کے ساتھ ساتھ اب بھاری نہ
 کی سزائیں بھی دینی شروع کر دیں۔ لوگ غریب ہونے کی وجہ سے جرمانہ ادا
 نہ کر سکتے تھے۔ تو ان کے اثاثہ منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کو نیلام کیا جاتا تھا۔
 کشمیر کی یہ ایجنسی مقامی تھی۔ اس سے جنوں کے مسلمانوں پر کچھ اثر
 نہ پڑا تھا۔ لیکن اپنی دونوں حکومت نے فرنیچر، کیٹی کی رپورٹ شائع کر
 دی۔ اگر یہ رپورٹ پُر امن حالات میں شائع کر دی جاتی۔ تو شاید اس سے
 اثریت مطمئن ہو جاتی۔ لیکن چونکہ فضا میں ایجنسی کی آواز گونج رہی تھی
 اس لئے اس پر سخت نکتہ چینی شروع ہو گئی۔ شیخ محمد عبداللہ نے ۲۹ جنوری
 کے روز آجک لمبا بیان شائع کر دیا۔ جس میں رپورٹ کے مختلف پہلوؤں پر بحث
 کرتے ہوئے بتایا گیا۔ کہ یہ ہمارے ایسی کن دستاویز ہے اور اس کے کسی
 فرقہ کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

۲۲ فروری کے روز پلوانہ میں گولی چلائی گئی۔ جس سے ۱۰ آدمی مارے
 گئے۔ اور بہت سے زخمی ہوئے۔ وجہ یہ تھی۔ کہ وہاں مسلمانوں نے خدیگہ کے
 اندر پہنچ کھڑا کر دیا۔ جس پر ان کے مقامی رہنما تقریر کرتے تھے۔ بخصیلا دار
 نے انہیں حکم دیا۔ کہ اس منہ ال کو مٹا دیں۔ لیکن انہوں نے نہ مانا۔

اور جسکی نماز کے بعد تقریریں کرنے لگے۔ جب افسران حکومت نے اُن کو مجبور کر دیا کہ وہ ہنڈال کوٹھائیں۔ تو مجمع بے قابو ہو گیا۔ اور اُن پر گولی چلائی گئی۔ اِس سے تمام ریاست میں ہلچل مچ گئی۔

دفعہ ۱۸۔ ایل کے تحت ہر جگہ حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنے والوں کو سزائے تازیانہ دی جاگی تھی۔ جس سے لوگ بہت شتعل ہوئے تھے۔ بھیمپاڑہ میں جب چند آدمیوں کو یہ سزا ملی۔ تو ۶ فروری لوگوں نے اِس وحشیانہ سزائے خلاف صیائے احتجاج طلب کرنے کے لئے جلوس نکالا۔ مقامی افسران موقعہ پر آئے۔ لاشی چارج کیا گیا۔ لیکن پھر بھی جلوس نکلتا رہا۔ جلوس پر اسن تھا۔ لیکن منتشر نہ ہوا تھا۔ جب اُس کو منتشر کرنے کے لئے مٹری نے ہوا میں فائر کیا۔ تو لوگ ادھر ادھر دوڑنے لگے۔ فوج کے افسر نے سمجھا کہ حملہ کرنے کے لئے ہجوم آگے آیا۔ تو اُن پر گولی چلائی گئی جس سے تین لمے گئے۔ اور کئی زخمی ہوئے۔ مددِ صداقت جو، فروری کے حالات کا بچشم خود معائنہ کرنے کے لئے بھیمپاڑہ گیا تھا۔ لکھتا ہے۔

”بھیمپاڑہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ کوئی ایک دوسرے کی واقفیت نہ رکھتا تھا۔ میں نے بعدِ شکل ایک دس سالہ لڑکے کے ہمراہ واقعہ کدہ کے پاس جانا چاہا۔ لیکن سب گھر چھوڑ کر کہیں چلے گئے۔“

شیخ محمد عبداللہ ان سب حالات کو دیکھتا رہا۔ اِس کے پاس ہشمار خطوط آتے رہتے تھے جن میں ان حوادثِ شدید کی روح فرسادهان درج ہوتی تھی۔ ان خوشحالاں کے سننے سے اُن کا دل پاس پاس ہوتا تھا۔ اگرچہ وہ نوجوانوں کی ایسی ٹیشن کو نظرِ احسان

نہ دیکھتے تھے۔ لیکن وہ حکومت کے بے رحمانہ طریق کار کو نہایت ہی پسندیدہ کی نظر سے دیکھتے۔ اور متواتر ان کی پالیسی کے خلاف سخت اظہارِ ناراضگی کرتے تھے۔ اپنے ایک بیان میں کشمیر نے لکھا۔ اس پالیسی سے حکومت

کشمیر

میں اپنے رہنے والے ہیں۔ اقتدار اور اعتماد کے ثبوت میں کیسی ٹھونک رہی ہے۔۔۔۔۔ حکومت امن و اطمینان کی تمھن ہے۔ تو اس کے حصول کا ذریعہ رعایا کتنی نہیں بلکہ ان کو مطلوبہ اسمبلی دی جائے۔۔۔۔۔ بیکاری کا ہر ممکن طریقہ سے انسداد کیا جائے۔ لے علاوہ ان میں آپ کشمیر کے صحیح واقعات دنیا کے سامنے رکھنے کے لئے ایجنڈا اسمبلی کے برگزیدہ ممبران سربراہانِ اوردہ اخبارات کے مدیران اور حکومتِ سندھ کے اعلیٰ افسران سے بھی ملے۔

اس کے بعد کشمیر نے ۱۰ فروری کے روز سیالکوٹ میں مسلم کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس بھی بلوایا۔ تاکہ حالاتِ حاضرہ اور فریادِ کمیٹی کی رپورٹ پر غور و خوض کیا جائے۔

اس اہم اجلاس میں مجلسِ عاملہ کے بانی سے زیادہ رکن شامل ہوئے تھے۔ شیخ محمد عبد اللہ نے بہتر انداز رکھایا۔ کہ کشمیر کی ایجنڈا کو منہ کر دیا جائے۔ حکومت سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ ان کا نکتہ نگاہ یہ تھا کہ ایجنڈا کی ابتدا چونکہ کافی غور و خوض کے بعد نہیں کی گئی تھی۔ اس لئے اس غلطی کو محسوس کرتے ہوئے ایسا قدم اٹھانا چاہیے جس سے ملک و ملت کو کوئی زک نہ پہنچے۔ لیکن پورا نہ اوز بھپاڑہ کے

واقعات اور تازیلنے کی سزا۔ لاکھی خارج۔ جرمانے۔ اور دیگر ظلم و ستم کی پالیسی نے فضا کو تہر آلودہ بنا رکھا تھا۔ اس لئے ممبران مجلس عاملہ نے شیخ محمد عبداللہ کے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ بلکہ چوہدری غلام عباس کو ڈکٹیٹر بنایا جا کر مجلس عاملہ کو توڑ دیا گیا۔ اور مسٹر عباس کو اختیارات دئے گئے کہ وہ حکومت سے گفت و شنید کر کے مسلمانوں کے مطالبات کو بندہ دن کے اندر اندر منظور کراویں۔ بصورت دیگر ایک لاکھ عمل مرتب کر کے اس کو قوم کی رہنمائی کے لئے منتشر کریں۔ فریجائر رپورٹ کے متعلق شیخ محمد عبداللہ کے بیان کو قبول کیا گیا تھا۔

چوہدری غلام عباس نے اس قرارداد کے تحت وزیراعظم کو ایک چٹھی لکھی جس کے ساتھ دو بیوروں بھیج دیئے۔ ایک میں گلینسی سفارشات سے اکثر افسانہ کی طویل داستان درج تھی۔ اور دوسرے میں لچیلٹو اسمبلی اور فریجائر رپورٹ کے متعلق مسلم نکتہ نگاہ پیش کیا تھا اس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسلمان ذمہ دار اسمبلی کے طلبکار میں کرنل کالون وزیراعظم نے گلینسی سفارشات کے متعلق شکایات پر بحث کرنے کے لئے چوہدری عباس کو دعوت دی۔ لیکن مسٹر عباس نے واپس لکھا کہ جب تک حکومت آئینی اصلاحات والے معاملہ پر بھی گفت و شنید کے لئے تیار نہ ہوگی۔ وہ اسٹریو کا کوئی نایادہ نہیں دیکھتے۔

کرنل کالون فریجائر رپورٹ پر بحث مباحثہ کیلئے تیار نہ تھے۔ اس لئے چوہدری عباس نے یہ خط و کتابت

شائع کر کے ایک بیان میں سول نافرمانی کا حکم دیا۔

جو بدری عباس کے اس اعلان سے فضا میں بھر
انرا تفری پھیل گئی۔ لیکن یہ زیادہ دیر نہ رہ سکی جنرل ڈکٹیٹر کے علاوہ افد
بھی بہت سے اشخاص چل گئے۔ لیکن چند دنوں کے بعد سب معاملہ سرد پڑ گیا
اور لوگ اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

شیخ محمد عبد اللہ چاہتا تھا کہ حکومت کشمیر کے درمیان
با عزت سمجھوتہ ہو۔ لیکن چند اعلیٰ افسران ریاست نے اُن کے ساتھ غلط
وعدوں سے کام لیا۔ جس سے اُن کا دل برداشتہ ہوا وہ جانتے تھے
کہ نوجوانوں کی تیز طبیعت سے اس دفعہ کام خراب ہو گیا ہے۔

اور حکومت مانتی ہے کہ مسلمان چند سال سے سوات ریاستی
خواب کھیلتے کھیلتے تھک گئے ہیں۔ اس لئے اُن کو اب شکست فاش
دی جا سکتی ہے۔ اس لئے جب اپریل کے تیسرے ہفتہ میں ریلویشن
۱۹۹۱ء شائع ہوا۔ جس میں مجوزہ اسمبلی کے اختیارات
درج ہیں۔ تو انہوں نے بحیثیت ایک عملی بحریہ کار اور سیاست
دان کے ایک اخباری بیان کے ذریعہ جل میں جو بدری غلام عباس
سے مشورہ لے کر سول نافرمانی کو ملتوی کر دیا۔

اپریل کی آخیر میں آپ کشمیر واپس آئے۔ اور یہاں جل
سے باہر نچے ہوئے رفتار کے ساتھ تبادلہ خیالات کر کے یہ فیصلہ
کر دیا کہ مسلمانوں کو اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینا چاہیے۔ چہ جائیکہ
وہ مجوزہ اسمبلی کی تکمیل آئین یا اختیارات سے مطمئن ہوں۔

یاد۔ کیونکہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا۔ کہ حکومت کو پتہ چلے گا۔ کہ
مسلم کا لفرنس کا ملک میں کتنا اقتدار ہے۔ اور اسمبلی میں جا کر ان کے نمائندے
کس طرح بوجہ امن اپنے فرائض کو نبھاسکتے ہیں۔ حالانکہ ملک کے
بہترین کارکن اور سیاست دان جیلوں میں محبوس ہیں۔ اور انتخابات میں
حصہ نہیں لے سکتے۔ شیر کشمیر نے یہ بھی فیصلہ کر دیا۔ کہ وہ خود اسمبلی میں
نہ جائیں گے۔

اس فیصلہ کے سچے پر شیخ محمد عبداللہ نے حکومت کشمیر
سے التجائی کہ وہ سیاسی قیدیوں کو رہا کر دے۔ تاکہ ملک میں فضا
ہو جائے۔ اور نیا دمداستی اور محبت کے ساتھ شروع ہو جائے
اگرچہ شیران حکومت نے فرداً فرداً اس درخواست کو منظور کرنا
محکم سمجھا۔ لیکن عین وقت پر جب کہ نامزدگی کے کاغذات پیش
کرنے کے لئے صرف عددین باقی رہتے تھے حکومت نے کوہِ مہاراجہ یا
شیر کشمیر نے سخت نہاری۔ اور اپنی پارٹی کے کارکنوں کو مار
بستی کے ذریعہ اہل سلاخ دی۔ کہ وہ انتخاب کے لئے کھڑے ہو جائیں
اور اس بات کی پرواہ نہ کریں۔ کہ قابل انتخاب دستیاب ہوتے ہیں
یا نہ۔

جون۔ جولائی۔ اور اگست کے مہینوں میں شیخ محمد عبداللہ
نے وادی کشمیر کے اندر انتخابی مہم سے بھل مچادی۔ سرنگم میں آپ نے
ہر ایک محلہ کے اندر تقریریں کیں۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جس کی توقع تھی
میر واعظ یوسف شاہ کے تمام دعوے باطل ثابت ہوئے۔ اور سرنگم

کے اندر مسلمانوں کی پانچوں نشیتیں شیخ محمد عبد اللہ کی پارٹی کے امیدواروں کے
 ہاتھ آگئیں۔ اگست مہینے کے روز۔ پولنگ سیشنوں پر "شیر پارٹی" کو
 کامیاب بنانے کے لئے اندھے پیرے گونگے بیمار۔ اور سن رسیدہ آدمی
 بھی ووٹ دینے کے لئے آئے تھے۔ انتخاب کے نتیجہ سے میر واعظ یوسف
 شاہ کار ہا سہا اقتدار بھی خاک میں مل گیا۔ اور حکومت کو معلوم ہوا۔ کہ
 شیخ محمد عبد اللہ کی کشمیری مسلمانوں کے دلوں کا واحد مالک ہے۔
 اسمبلی کا افتتاحی اجلاس۔ ار اکتوبر کو دوبارہ گراؤ میں منعقد
 ہوا۔ جس میں عہدہ صاحب خود بھی تشریف لائے تھے۔ وزیر اعظم
 نے شاہی اعلان پڑھ کر سنا۔ اسمبلی کا پہلا اجلاس ۱۲ نومبر تک جاری رہا
 مسلم کانفرنس پارٹی نے شیخ محمد عبد اللہ کی ہدایت پر چلکار حکومت اور
 دنیا پر واضح کر دیا۔ کہ وہ اس آئین سے کسی بہتر آئین کے قابل تھے
 جو ان کو دیا گیا ہے۔

اسمبلی کے اجلاس کے بعد مسلم کانفرنس کا میسر اس لائن علیہ
 سولور میں ۱۱۔۱۲۔۱۳ نومبر کو منعقد ہوا۔ اگرچہ ارکان جنرل کونسل مسلم کانفرنس
 کی خواہش تھی کہ شیخ محمد عبد اللہ ہی اس دفعہ بھی صدارت کے
 فرائض سرانجام دیں۔ لیکن شیر کشمیر نے اس اجارہ داری کو نہایت
 ہی نامناسب قرار دے کر صاف جواب دیا۔ اس لئے ممبران کونسل
 کی نظریاں احمد یار خاں۔ بی۔ جی۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ بی۔ پر پڑی۔
 مسلم کانفرنس کے جلسہ کے بعد شیخ محمد عبد اللہ بطرف
 پنجاب روانہ ہوئے۔ اور چار مہینے کے لئے وہاں کانگریس اور نیشنلسٹ

رہنمایان ہند نے تبادلوں خیالات کرتے رہے۔

کانگریس نے اس دن اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا تھا اس لئے اسمبلی کا دلی والا اجلاس نہایت دلچسپ اور سنگامہ خیز ہونے کی توقع تھی۔ پس شیر کشمیر بھی اس اجلاس کو بغور دیکھنے کے لئے دلی تشریف لے گئے۔ آپ کے دل پر کانگریس اور اس کے رہنماؤں و کارکنوں کی سچائی۔ صدق دلی۔ اور ایثار کا اتنا اثر ہوا کہ آپ نے منصفانہ کر دیا۔ کہ ریاست میں بھی ایک ایسی ہی قوم پرستانہ تحظیم کو قائم کیا جائے جو کانگریس کے اصولوں پر کام کرے۔ چنانچہ آپ نے ڈاکٹر سلف الدین کچلو کے مکان پر ایک دفتر پرپس کے نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ کشمیر کی فرقہ وارانہ فسادات بہت حد تک پنجاب کے فرقہ پرست لیڈروں کے پروپیگنڈا کا نتیجہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ پنجاب کے لوگ سہارے اندرونی معاملہ رت میں کوئی دخل نہ دیا کریں۔ میرا آئینہ پر وگرام کانگریس کے اصولوں پر کام کرنا ہوگا۔ اور میں عنقریب وطن جا کر اسی قسم کی ایک انجمن کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہوں۔

آپ مارچ کی آئیر کو جموں روانہ ہوئے۔ جہاں کشمیر لیجسلیو اسمبلی کا دوسرا اجلاس ہونے والا تھا۔ اس اجلاس کے ختم ہونے پر ۲۲ اپریل کو بطرف سرنگر روانہ ہوئے۔ جہاں آپ نے پہنچتے ہی اپنے نئے گریڈ کی داغ بیل ڈالنے کے لئے اخبار ”دھرم درود“ کو اپنی مقاصد زیر نظر جاری کرنے کا اعلان کر دیا۔

شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی و مذہبی عفتائے

شیخ محمد عبداللہ ایک متوسط احوال اور مقابلتا غریب خاندان میں پیدا ہوئے ہیں آپ نے اپنی فہم و فراست اور بے تمہا اہلیت کی بدولت ریاست کشمیر کے اندر انقلاب پیدا کر کے تو اسے کشمیر میں قائم پیدا کر لیا۔ ایک ایسی مہمت کے لئے حاصل۔ اور دشمنوں کا پیدا ہونا قدرتی تھا۔ بلکہ کیا نگاہ میں آتے ہی آپ کے خلاف زبردست پروپیگنڈا اور منظم سازشیں ہونے لگیں۔ بے پہلے آپ کے خلاف ہندو متوں اور حکومت کشمیر نے پروپیگنڈا کیا۔ کہتے تھے کہ عبداللہ کی یہ تحریک ان کو بچانے اور پامال کرنے کے لئے تھانوی کی گئی ہے۔ بد قسمتی سے ۱۳ مارچ ۱۹۳۱ء کو جو کچھ ہمارے گنج اور وچانگ میں ہوا۔ اور اس کے بعد فروری ۱۹۳۲ء میں علاقہ میرپور کے ہندوؤں کے ساتھ جو کچھ گزری اس سے یہ سب سب سے تیز و پروپیگنڈا کرنا والوں کے اثر میں آسانی سے آگئے۔ اور اس خیال کو تقویت پہنچی۔ کہ شیخ محمد عبداللہ ہندوؤں کو نیست و نابود کرنے کے درپے ہے۔

حکومت کشمیر نے اس سب سے اس بات کو شہر کرنا شروع کر دیا کہ محمد عبداللہ اور اس کی پارٹی کا مطلب ہمارا جہ ہری سنگھ کے راج کو ختم کرنا کا ہے۔ لندن کے ایک اخبار ڈیلی ہیرلڈ نے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ مسلمان

کشمیر نے ایک بلاٹ بنا رکھا ہے جس سے وہ غارت خان کو جوتہ ایمان اللہ
خان کے بعد انٹالن کے تحت پر وہ دن بیٹھا تھا۔ تخت کشمیر پر مہاراجہ ہری سنگ
کی جگہ بٹھانے کے خواہشمند ہیں۔

کچھ عرصہ تحریک کشمیر کے کامیابی سے چلنے کے بعد مسلمانوں کا ایک
طبقہ بھی آپ کے خلاف بن گیا جس کے سرکردہ میر داغظ یوسف شاہ بنے۔ انہوں نے
سیاسیات کی بنیاد نہیں بنائی مگر اپنی اختلافات کو اپنے پروپیگنڈا کا آلہ بنایا۔ شیخ
محمد عبد اللہ کی کوئی بھی سوانح حیات اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی۔ جب
تک کہ اُن کے سیاسی اور مذہبی عقاید کے متعلق تمام باتیں ضبط تحریر میں نہ لائی
جائیں۔

۴ جون ۱۹۳۲ء کے روز انتخابات اسمبلی کی مہم کے سلسلہ میں تقریر
کرتے ہوئے۔ شیخ محمد عبد اللہ نے شہیلی منگ کے جلسہ میں بتایا کہ
”میری بدقسمتی اور ملک کی بدقسمتی سے کئی جماعتیں مہاراجہ
تحریک کو غلط سمجھ رہی ہیں۔ حکومت سمجھتی ہے کہ میں اُس کے خلاف ہوں
اور اُس کو درہم و برہم کرنا چاہتا ہوں۔ منہ دوں گا ایک حصہ سمجھتا ہے کہ
میں اُن کی بنیادی عمارت زندگی کو گرا نا چاہتا ہوں۔ اور مسلمانوں کا ایک طبقہ
بھی اسی دہم میں مبتلا ہے کہ میں اُن کے وقار و اقتدار کو نقصان پہنچانا
چاہتا ہوں۔ خدا گواہ۔ ان میں سے مجھے کوئی بھی خواہش نہیں۔ مجھے صرف
ہی تمنا ہے کہ اس ملک کے ہر ایک باشندے کو خوش و خرم دیکھوں۔ اور
اپنی انسانی درجہ و لادعل۔ اس میں مذہب و ملت کی کوئی تمیز نہیں۔“

بچپن سے ہی شیخ محمد عبد اللہ کا دل ہموطنوں کی حالت زار و فکر

ترپا اٹھتا تھا۔ اُس کو اپنے وطن کی غلامی ناقابل برداشت معلوم دیتی تھی اس
 کو دور کرنے کے لئے وہ اپنی جان عزیز بھی قربان کر دینے کو تیار تھا۔ دوسری
 گرفتاری سے رہائی پر اُس نے لکھا ہے۔ کہ
 ”مجھے چین سے ہی اپنے کشمیری بھائیوں کی مظلومیت پر افسوس
 ہوتا تھا۔ اور میرا ذل خون ہوا جاتا تھا اور اکثر میری معصوم آنکھیں
 پر نم ہو جاتیں۔“

جب میں نے لاہور کی آزاد فضا کی ہوا کھائی۔ اور میں نے
 اپنے پنجابی بھائیوں کی زندگی سے اپنے کشمیری بھائیوں کی حالت کا موازنہ
 کیا۔ تو مجھے شرم کے ماتے سر جھکا لینا پڑا۔ میں نادم تھا۔ کہ کیا ہم کشمیری بھی انسان
 کہلانے کے قابل ہیں۔ کیا دنیا کے ہرے میں ہم سے زیادہ کوئی غلام ہے۔
 اُس کو قوم کی حالت بدکا احساس تھا۔ جب کالج میں ایم اے اعلیٰ میں پاس
 کی عرض سے وہ لاہور اور علیگڑھ چلے گئے۔ تو وہاں کانگریس کام دیکھنے کا نہیں
 موقع ملا۔ وہ سمجھ گیا۔ کہ سندھ و سان کو سوراخ پہی تنظیم دلا سکتی ہے۔ اور اگر اسی
 اصول پر کشمیر میں بھی کام شروع کیا جائے۔ تو ہماری سجات حاصل ہو سکتی ہے۔
 اُس نے دیکھ لیا تھا۔ کہ فرقہ پرست جماعتیں ہر ملک میں ترقی کے لئے سد راہ
 بنتی ہیں۔ اور ان کی زندگی مذہبی نہیں۔ بلکہ نژادنی ہوتی ہے۔ اور ان کے اندر
 کام کرنے والے خود غرض اور نفس پرست ہوا کرتے ہیں۔ کانگریس کے اشیاء
 نے اُس پر کافی اثر ڈالا۔ وہ لکھتا ہے۔

”میری ہمیشہ یہ تئاری ہے۔ کہ اپنے وطن عزیز کو تمام دنیا میں بلند ہو
 میں فرقہ پرستی کو قوم و ملک کے لئے لعنت سمجھتا ہوں۔ اور میں کبھی بھی

مذہب پرستی کا جرم معاف نہیں کر سکتا اسلئے

کانگریس کے لئے آپ کے دل میں عزت ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ کو دوسری دفعہ گرفتار کیا گیا۔ اور آپ حالات کشمیر اقوام عالم کے سامنے آچکے تھے۔ لیکن کانگریس نے کشمیر کی کوئی مدد نہ کی تو آپ نے لکھا۔

”بعض تو کہتے ہیں کہ ہم ویسی ریاستوں کے معاملات میں دخل دینا اپنی کانگریسی پالیسی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں۔ کیا کانگریس کا نصب العین یہی ہے کہ اگر ویسی ریاستوں میں مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھلے جائیں۔ تو کانگریس انہوں پر ٹی بانڈ لے۔ اسے علیحدہ میں ہی وہ جان گیا۔ کہ کانگریس تحریک کا اثر اس کے وطن کی سیاسی قضیہ پر ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ اس نے لکھا۔ کہ

”جب تمام ہندوستانی شریک حکومت ہونے کے باوجود بھی انگریزوں سے مطالبہ حقوق پر اٹھتے ہوئے ہیں۔ کشمیری اپنی غلامی پر کیسے قانع رہ سکتے ہیں۔ بیرونی تحریک آزادی کا کشمیر پر اثر انداز ہو جانا یقینی امر ہے۔ اسلئے قلعہ ہارسی پر بت سے رہائی ملنے کے روزی آپ نے ہمارے لئے امداد و چاناک کے قاصدات پر اظہارِ تاسف کیا۔ اور مسلمانوں کو بتلایا۔ کہ

”کشمیری پنڈت سہلے کھائی ہیں۔۔۔۔۔ ہم یہ چاہتے ہیں۔ ہمیں بے شک تکلیف ہو۔ لیکن سہارے کشمیری پنڈت کھائیوں کو سہارے خلاف کوئی وجہ شکایت نہ ہو۔“

دوسری گرفتاری کے وقت جو پیغام شیخ محمد عبداللہ نے مسلمانوں کے نام بھیج دیا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ اپنی سہارے قوم سے اگر وہ

بہتیں اشتعال بھی دے۔ تو بھی اُن کے مذہب اور باقی مذہب پر طعن و تشنیع کی زبان ہرگز نہیں کھولنی چاہیے۔ سہ

یہ تو اُن دنوں کی باتیں ہیں۔ جب شیخ محمد عبداللہ کو ابھی قومی لیڈروں کے زمرے میں وہ درجہ حاصل نہ ہوا تھا جو بعد میں ہوا۔ لیکن آپ جب مسلمانان کشمیر کے واحد رہنما تصور کئے جانے لگے۔ اور آپ کو قوم نے واحد متفقہ طور پر اپنی جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا صدر منتخب کیا تو آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں کہا۔

”میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ جیسے سہارن پور سے بارہا اعلان کیا گیا ہے۔ تحریک کشمیر فرقہ وارانہ سحر تاب نہیں ہے بلکہ سب اقوام کے لوگوں کی شکایات کے ازالہ کے لئے ہے۔ میں اپنے براہِ وطن کو خواہ وہ منہ دہوں یا سمجھ یقین دلاتا ہوں۔ کہ ہم اس طرح ان کے دکھوں کو دور کرنے کے لئے تیار ہیں جس طرح کہ مسلمانوں کے دکھوں۔ سہارا ملک ترقی نہیں کر سکتا۔ جتنا کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ صلح کے ساتھ رہنا نہ سیکھ لیتے۔ اور وہ بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ جب ہم ایک دوسرے کے جائز حقوق کا پیدا احترام کریں۔ اور ایک دوسرے کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کریں“

اجنادِ ستارے نامہ نگار کو غید منبر کا پیغام دیتے ہوئے۔ آپ

نے فرمایا تھا۔ کہ

”اکثریت فرقہ آمیزی کا اعتماد حاصل کرنے کے بغیر کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ میرا پورا یقین ہے کہ مسلمان اور ہندو متفق ہونے کے بغیر کچھ

بھی سن کر سکتے۔

جب ماہ فروری ۱۹۳۲ء کی آخر پر مسلم کانفرنس کی مجلس عالمہ کا ایک ضروری اجلاس بلایا گیا۔ اور چند اہم مطالبات منظور کئے جانے کے متعلق حکومت کے تامل کی وجہ سے ایسا دکھائی دیتا تھا کہ ملک میں پھر ایسی یٹن شروع ہو جائے گی تو آپ نے ۲۸ فروری کو سندھ و دکن کے نام مفصلہ ذیل پیغام شائع کر دیا۔

”آپ کو شاید علم ہو اسو گا کہ مسلمان ریاست نے حکومت سے اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کے لئے تقریباً آٹھ پچیس سال بے صبری کے ساتھ انتظار کیا۔ اور اپنی قطعی و واداری سے حکومت کے وعدوں پر اعتبار کیا کہ اب ان کے ساتھ انصاف ہونا چاہتا ہے۔ دنیا کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ مسلمان ریاست اپنے جائز حقوق سے تجاوز نہیں چاہتے ہیں۔ بلکہ ان کے مطالبات ایسے ہیں جس میں ملک کی بہتری مقصود ہے۔ مثلاً ریاست میں مجلس آئین و قوانین کا قیام۔ پولیس۔ انجمن اور فہر کی آزادی۔ زمینداروں کی جائز شکایات کا انداد۔ ریخت تالی۔ ریاستی باشندوں کو حصول ملازمت میں برتری کے جائز حقوق مد نظر رکھتے ہوئے سہولتوں کا بہم پہنچانا۔ حقوق ملکیت دیا جانا۔ جاگیرداروں کے مظالم دور کرنا۔ تجارت و معرہ میں باشندگان ریاست کو امداد دینا وغیرہ وغیرہ۔“

یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ اس فرقہ میں کسی جائز حقوق کو نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر بد قسمتی سے کافی انتظار کے بعد بھی حکومت نے آج تک باوجود گھنی سفارشات اور ہمارا جہ بہاد کے صریح احکامات کے ان شکایات کا

ازالہ نہیں کیا۔ مسلمانان ریاست نے اب مجبور ہو کر ہمارے چچ کو سرنگر میں آل
 جموں و کشمیر کی مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کی سٹنگ بلال ہے جس میں حصول مطالبات
 کے لئے ایک مشترکہ قدم کا لائحہ عمل زیر غور ہو گا۔ اگر حالات نے حکومت اور
 مسلمانوں کے مابین کوئی کشمکش پیدا کر دی تو مجھے امید ہے کہ اگر آپ کو مسلمانوں
 کے ساتھ تعاون کرنے میں کوئی امر مانع بھی ہو۔ تاہم آپ کا رویہ ایسا رہے گا کہ مسلمانوں کو
 کسی طرح کی بدظنی کرنے کا موقع نہ ملے۔ اور ہمارے اس رشتہ اتحاد میں جس کی
 بنیاد نہایت عقربری اور عزیزوں کے پاک خون سے رکھی گئی ہے۔ فرقہ
 آنے والے ہیں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ ہماری تحریک ہرگز فرقہ دارانہ نہیں ہے۔
 ان اعلانات کے ساتھ ساتھ شیخ محمد عبداللہ بھی دکھائی دیتے تھے
 کہ انہیں سندھ و دکن کے ساتھ بھی دلی محبت ہے۔ اور ملکی کاموں میں انسانیت کے
 مولوں کو توجہ نظر رکھتے ہیں۔ جب ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء میں سرنگر کے اندر
 زبردست فرقہ دارانہ مناموچا۔ اور ہندو مسلمان ایک دوسرے کے خون کے
 پیاسے بن چکے تھے۔ کسی کشمیری نپٹ گوند رام کی لڑکی فوت ہو گئی۔ لاش
 کو بتن دن منادات کی وجہ سے مر گھٹ پر نہ لیجا یا سکا۔ نپٹوں نے شیخ
 محمد عبداللہ کے پاس جا کر حال نہایا۔ اُس نے خود مر گھٹ پر جا کر لاش کے
 جلانے جانے کا انتظام کیا۔

دنیا جانتی ہے کہ اگر شیخ محمد عبداللہ جانفشانی سے کام نہ کرتے
 تو یہ منادات نہایت ہی خوفناک ثابت ہو جاتے۔

۱۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شیخ ہسپتال، رگجن میں ایک ادارہ مسلمان

مریض عورت سرگئی۔ مسلمانوں میں افواہ پھیلی کہ اس عورت کو کسی نپٹ

سر بي حے گليڈسي



جو مشهور تحقیقاتی اور آئیڈی کمیشنوں کے ور ڈھ

نے دیدہ و دانستہ مار ڈالا۔ شہر میں جوش پھیل گیا۔ اغلب تھا کہ خدا دہو جانا لیکن
شیخ محمد عبداللہ نے حضور نبی باغ کے اندر مسلمانوں کو جمع کر کے ان کے جوش کو
کھنڈ کر دیا۔

رعنا داری میں سند مسلمانوں کے درمیان کئی سالوں کا ایک
قطرہ زمین کے متعلق جھگڑا چلا آتا تھا۔ جولائی ۱۹۳۷ء میں اس جھگڑے نے
بدترین صورت اختیار کی۔ تھامی آبادی میں ایسا جوش پھیل گیا کہ انتہا پانی
تک لڑتے پہنچ گئی۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ نے ۲۰ جولائی کے روز
رعنا داری میں شتمل مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ انہیں اپنے سہا یہ منہ د
سجائیوں کے ساتھ محبت سے پیش آنا چاہیے۔ اور کسی طرح بھی اس
کھوڑی سی زمین کے لئے فرقہ داری کی آگ نہیں سلگانا چاہیے۔ چہ جائیکہ
انہیں بہت طراقتی سے آگیا بھی جائے گا۔

اگرچہ یہ اعلانات اور تقریریں اس وسیع پروپیگنڈا کے بڑے
اثرات کو روکنے کے لئے مکفی نہ تھیں۔ جو شیر کشمیر کے خلاف مختلف
اطراف سے جاری رکھا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی غیر مسلم فرقہ جات کا
نمایاں حصہ ان کے غلوں سے متاثر ہوا۔ کیونکہ ان کی باتیں دلی
کی عمیق گہرائیوں سے نکلتی تھیں۔ چنانچہ سکھوں کے نمائندہ عہدہ
گوردوارہ کمیٹی نے ایک چھٹی اخبارات میں شائع کردہ جس
میں شیر کشمیر کی تحریک اور مطالبات سے سکھوں کی طرف سے ہمدردی
کا اظہار کیا گیا تھا۔

کئی سند تو شیخ محمد عبداللہ کی راست بازی کو

دیکھ کر ان پر فرغیہ ہو گئے۔ اور اپنے خاچی اور کے تصفیہ کے لئے بھی
 ان سے صلاح مشورہ لیا کرتے۔ ریڈیشیل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کشمیری
 عدالت میں کچھ مدت سے ایک مقدمہ کشمیری بیٹوں کے مشورہ موکار
 نیٹ موٹہ کوئی اور نیٹ جاچی ماسٹہ بنیک مالکیدل گدیال رہا تھا۔
 اڈیشیل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فریقین کو مشورہ دیا کہ وہ اس مقدمہ میں اپنا
 ثالث مقرر کر کے تصفیہ کرا دیں۔ اور فضل جج نے فریقین کو دست
 کشمیری نیٹ بسیدروں کے نام تجویز کئے۔ لیکن فریقین
 نے ان کے بھائے شیخ محمد عبد اللہ کو اپنا ثالث مقرر کر دیا۔
 ان حالات کے درمیان جب ۱۸ اگست ۱۹۳۳ء کے
 دن منصورہ باغ میں شیخ محمد عبد اللہ کو سٹوں اور غیر مسلموں کی طرف
 سے ایک ہلاک ساز سازش پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے جواب میں
 سیاسیات کشمیر کے متعلق اپنے دل جذبات کا آزادانہ طور پر اظہار
 کیا۔ یہ جواب کشمیر کی زندگی میں ایک اہم سیاسی دستاویز ہے جس
 سے ان کے پوٹیکل عقائد واضح طور پر معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم اس
 جواب کو بعینہ یہاں درج کر رہے ہیں۔

مہرز کو بہنو بھائیو۔ اور عزیزو آپ کے اس خلوص
 اور جذبہ الفت کو دیکھ کر جس کا اظہار آپ نے میری رٹائی کے دن
 سے عموماً اور آج کے روز خصوصاً میرا حیرت منگام کرنے میں کیا ہے
 میری گردن جھک جاتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میں اس
 عزت افزائی کے قابل تھا یا نہیں جو آپ بھائیو نے ملکر آج یہ

یہ سیانہ بڑھنے کی ہے۔ میری عمر میں لقیب سنا یہ دن ایک
 یادگار بنو گا۔ جب میرے سموطن بھائیوں نے بلا امتیاز مذہب و ملت
 میری ناچیز خدمات کا اعتراف کر کے میری حوصلہ افزائی کی۔ آپ
 کی اس قدر شناسی کے لئے یہ دل سے شکر یہ ہزار بار شکر یہ

میرا ایمان ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ
 دنیا میں آکر تمام مخلوق خدا کو نالوں مصائب سے بچائے۔ ان کے
 لئے گنجائش برداشت کرے۔ ان کو راحت اور امن و سکون کی زندگی
 بسر کرنے کے مواقعات بہم پہنچائے۔ ان کو مظلومیت سے چھٹکارا
 دلائے۔ میرے نزدیک نجات کا راستہ ہی یہ ہے کہ دنیا
 میں بشر کی زندگی جسمانی اور روحانی آزادی کے حاصل کرنے میں
 صرف ہو۔ ورنہ حیوانوں کی طرح صرف اپنے فطریہ کے لئے کوشش
 کرنا یا اپنا پیٹ پر کرنا۔ کوئی انسانی فضیلت نہیں پس جو کچھ
 غیر خدمات میں نے اپنے وطن یا اپنی قوم کی فلاح و بہبود کے لئے
 انجام دیں وہ میں نے کسی پر احسان نہیں کیا۔ بلکہ وہ صرف
 اپنے فرائض کی ادائیگی کا تقاضا تھا۔ نیز جو کچھ ہوتا ہے۔ خدا کی تشا
 سے ہوتا ہے۔ یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے مجھے ناچیز ہستی سے
 کام لیا۔ ورنہ بذات خود ایک ضعیف انسان کی کیا بات ہے کہ
 وہ اتنا عظیم الشان کام انجام دے۔

میرے مظلوم بھائیو! مجھے آپ کے ساتھ پورا
 اتفاق ہے کہ کچھ حاصل ہونے پر بھی بہت کچھ باقی ہے میری

رائے میں بہت کچھ نہیں ہوا۔ چونکہ ہم صوبوں سے غلام ہیں مجکوم
ہیں مظلوم ہیں۔ اور رائے پیدا لشی حقوق کو پہچانا بھی معمول
گئے ہیں۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ صرف ان معمولی بندہ شوں
کے ہٹ جانے سے جو خواہ مخواہ عائد کر کے ہمارے آقاؤں نے
ہماری زندگیوں کو تلخ بنا رکھا تھا ہم آزاد ہوئے۔ ہم نے جو کچھ کیا
میرے رائے میں یہ فکر کی ابتدا ہے۔ حقیقی آزادی ابھی کوسوں دور ہے
لے میرے نوجوان دوستوں! کیا اسی کو دولت سے

مالا مال ہونا کہتے ہیں۔ کہ شہر میں آپ ہزاروں کی تعداد میں روزگار
در بدر بھر رہے ہوں۔ حالانکہ آپ میں سے سینکڑوں نے اپنی قیمتی
زندگیاں اور والدین کی گاڑھی کما لی۔ لمبی چوڑی ڈگریاں حاصل
کرنے میں ضائع کر دیں۔ اور گاؤں میں بیچا رہے لاکھوں کسان بیکار
فاقہ کشی کے دن گزار رہے ہیں۔ اگرچہ وہ کوئی بھی شقت کرنے والے
نہیں وہ ملک ہی کیا جس میں بیکاری اور بے روزگاری کا یہ حال ہو۔ وہ
آزادی ہی کونسی جس میں لوگ نان شبینہ کو محتاج ہوں۔

لے ستم رسیدہ کشمیر پر اوجہ یہ نہیں کہ تمہاری ماں وطن
اتنی غریب اور محتاج ہے کہ تمہیں روٹی بھیا نہیں کر سکتی۔ بفضل خدا ہمیں
خزینے۔ کہ وادی کشمیر اتنی پوشیدہ دولت سے پر ہے کہ اس کے پیاروں
نے نکلنے والی معدنیت۔ اس کے جنگلوں سے پیدا ہونے والے اشیاء
اس کے پانی سے چنے والے آله بات سے دنیا سراسر آفریں ہو سکتی ہے
ہمارے پرانے بزرگوں نے غلط نہیں کہا ہے کہ اس میں کویر کا گونہ گڑھا

ہے۔ اس کے چہرے میں خزاں ہے۔ لیکن کیا کریں۔ ہمارا دست و پا جھکڑے ہوئے
 ہیں۔ جو اس وقت ہماری قسمت کے منانے اور گھاٹنے والے ہیں۔ انہیں
 تو قینق نہیں کہ سہارے حال زار پر رحم کھا کر ہماری دستگیری کریں
 اے بے رحم عالم فاضل دوستو۔ کیا اسی کا نام آزادی ہے کہ اس شیر
 کے مانند جو زمانہ سلف میں دیا یعنی علم کا مٹنا سمجھا جاتا تھا جس نے علم و ہنر
 کی بدولت ہر چار اطراف میں اپنی فتوحات کا خنجر ابلند کر رکھا تھا
 جہاں کی عورت کو مشہور عالم فلاسفر سوامی تنکر آچا ریس نے علمی بحث میں ثالث
 بنالیا تھا۔ وہاں کے رہنے والے ۹۰ فیصدی سے زیادہ ایسے بول بچھڑا
 بھی نہ پہچان سکیں۔

مفلوک الحال کشمیریو! کیا مورا۔ اس صنعت و حرفت کو
 دستکاری کا۔ آج سے صرف دو سو سال پیشتر اقوام عالم کے لئے باعث
 رشک بنی ہوئی تھی۔ اور جس کی بدولت کشمیر کے لاکھوں لوگ اپنا گزارہ
 کرتے تھے۔ کہاں ہے۔ وہ شمالی جس نے کشمیر کا نام ولایت میں مشہور
 کر رکھا تھا۔ اور جبکہ سلاطین یورپ زیب تن کرنا فراموش سمجھتے تھے۔

عزیز ہمس وطنو! یہ ایک پروردگار نے کہاں
 تک بیان کریں۔ اپنی موجودہ حالت کو دیکھ کر میلرول اس ماہی بے آب
 کی طرح تڑپتا ہے جو دریائے سندھ کے سرو پانی سے نکال کر دھکائی ہوئی
 آگ میں ڈال دی جائے۔ یقین جانئے کہ جب تک آپ کے اس ناچیز
 خادم کے دم میں دم ہیں جب تک زلیست قائم ہے۔ خدا کا آسر ہے
 اے آپ کی مدد شامل حال۔ یہ بندہ اپنی ناچیز کوششوں کے بازو سے

میدان میں قدم چھپے نہ مٹا سکیگا۔ اور اگر خدا نے چاہا کہ آزادی کی لگمش
 میں اپنی جان عزیز قربان کرنے سے دریغ نہ کر لے گا۔ میرے موطونوں مجھے
 زیادہ خوشی آج اس بات سے ہوئی ہے کہ آپ نے مدت کے بعد میرے
 دل کی ایک بات کو صحیح طور پر پہچان لیا ہے۔ کہ میری روح جہاں مفاد ملی
 کے لئے بھرا ہے۔ ہاں سند و مسلم اتحاد کے لئے بھی مصلحت ہے۔
 میں مسلمان ہوں۔ اور اسلام کو سی روحانی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔
 اسلام مجھے سکھاتا ہے کہ اپنے موطن بھائیوں کے جائز حقوق کے
 لئے اسی طرح لڑوں جس طرح ہم مذہبوں کے لئے۔ اپنی کشمیری سند و پہنوں
 کی عزت و آبرو اور تنگ و ناموس بچانے کے لئے اسی طرح خون
 بہاؤں جس طرح مسلم عورتوں کے لئے۔ ان کے مال و جان کی حفاظت
 کرنا اپنا پریم دہرم سمجھوں۔ عرضیکہ دنیاوی تعلقات میں جہاں ملک وطن کا
 تعلق ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کو ایک آنکھ سے دیکھوں۔ یہ میری بدستھی سمجھ
 یا اس دلیش کے در بھالیکہ۔ بعض ہندو اور مسلمان خود عرض حد یا
 کسی خاص عرض سے۔ مجھے ان خیالات کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں
 جن کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جن کا اظہار میں نے
 آج تک کبھی نہ کیا۔ اور جو میرے دل میں کبھی نہیں آئے۔ اور اسی
 طرح میرے کئی سادہ لوح موطن بھائیوں کو میری نسبت مذہپن کر دیتے
 ہیں۔ میں ہر ان مذہپوں کہ اس کا کیا علاج کر دوں۔ میں خود مسلموں
 اور غیر مسلموں کو بھائی کی طرح آپس میں برتاؤ کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا
 ہوں۔ اور اللہ اس کام کے لئے پوری پوری کوشش کرے گا۔ لیکن

میں آپ کی اپنی کتابوں کہ جب تک آپ کوئی بات کافلوں سے نہ سنیں۔
 آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ اُس پر اعتبار کر کے بچے ناحق مور والزام
 نہ گردانا جائے۔

پیارے بھائیوں! میں نے آپ کا بہت وقت لیا۔ میں کچھ ایک
 دفعہ اس اظہارِ محبت اور عزت افزائی کے لئے آپ کا شکریہ سجالانا
 ہوں۔ اور اُس پر رکھتا ہوں کہ آپ جہاں بھی ہوں۔ نوکر ہوں
 یا آزاد۔ طالب علم ہوں یا برسرِ روزگار۔ سوار ہوں یا پیدل۔
 سوتے ہوں یا جاگتے۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ات لوں کی آزادی کا
 گیت گاتے رہیں۔ اور آپ کا طرزِ متانہ ہو۔ دو آزادی زندہ باد
 فریجائیہ کمیٹی کی رپورٹ پر جو بیان شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹
 جنوری ۱۹۲۳ء کو شائع کیا تھا۔ اُس کی آخر میں درج تھا۔
 ”جب سے مسلمانوں نے وطن عزیز کی فتنہ کی کام شروع کیا
 ہے۔ اسی وقت سے بعض خود غرض پارٹیوں نے ہندوستان کے مختلف
 گوشوں سے اُس کے خلاف تازیہ پر ویاگنڈا شروع کر رکھا ہے۔
 وقت آ پہنچا ہے۔ کہ ہم تمام خوف اور باہمی شکوک اور بے اعتمادی
 کو بالائے طاق رکھتے ہوئے۔ اس خلیج کو پائے کی کوشش کریں جس نے
 ہمیں ایک دوسرے سے اس قدر دور پہنچا دیا ہے۔ گذشتہ
 تین سال میں آپ نے اذازہ کر لیا ہوگا۔ کہ مسلمانوں کے واجبی
 اور پیدائشی حقوق کے ساتھ ساتھ خواہ تینا بھی تعب کیا جائے
 وہ اب دبائے نہیں جاسکتے ہیں۔ اور دنیا کی کوئی طاقت جمہوریت

کی بڑھتی جہتی لبر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے خواہ آپ اس میں
شریک ہوں یا نہ ہوں کشمیر مستقبل میں ایسے کانٹے ٹیویشن کو حاصل
کر کے رہے گا۔ اور حکومت کا بیشتر حصہ عوام کے ہاتھوں میں ہو گا۔ اور

حکام کو مطلق العنانی سے دست بردار ہونا پڑے گا کیونکہ زمانے کا
اقتصاد بھی ہے۔ سمجھ کر کیا یہ مناسب نہ ہو گا۔ کہ آپ اپنے فائدہ کیلئے
اور اپنے وطن عزیز کی خاطر بجائے حسب سابق مسلمانوں کے راستے میں
رکاوٹیں ڈالیں۔ ان کے دوش بدوش ہو کر وطن کو آزاد کرانے کی جدوجہد
میں شریک جائیں بحیثیت خیر خواہ ملک اور اپنی سمجھائیہ اقوام کے خیر خواہ ہونے
کے لیے یہ درود۔ نہ اپنی کر رہا ہوں مسلمانوں کی طرف سے میں آپ کو
یقین دلاتا ہوں کہ وہ آپ کو وہی تحفظ پاسنگ اور آئین میں
دیگر مراعات دینے کے لیے تیار ہیں جو مندوستان کی اکثریت
اہلیتوں کو دے رہی ہے۔۔۔ ممکن ہے کہ ہم زیادہ فراخ دل ثابت
ہوں۔ آؤ گزشتہ کو صلوات لکھیں۔ حکومت کشمیر کی تشکیل کردہ
اسمبلی کے کسی نوم کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔ لہذا اگر مسلمان
ڈاکٹر انصاف کا سامنا کریں تو آپ کو غلطی نہیں بلکہ صحیح وطن
پرستی کا ثبوت دینا چاہیے۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تردیدی بیان
شائع کیے جائیں بلکہ ذہنیت میں تبدیلی ہو جائے۔ اور دلوں میں صلح و
آرشتی کے جذبات موجزن ہوں

ان اشخاص کا منہ بند کرنے کے لئے جو ان غیر مبہم بیانات
کے شائع ہونے پر بھی شیخ محمد عبداللہ کو فرقہ پرست قرار دیتے تھے۔ انہیں

حجبت کے طور پر شیر کشمیر نے اخبار رٹربون کے نمائندہ کو جموں میں ۳ روزہ
۱۹۲۲ء کے روز ایک پیشل انٹرویو کے دوران میں سوالات کا جواب
دیتے ہوئے بتایا :-

مگر کشمیر کی غیر مسلم اقلیتیں مسلمانوں کے ساتھ وطن کی آزادی کے لئے
دوش بدوش کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تو مسلمان برطانوی ہندوستان کی
اکثریت فرقہ کی نسبت کشمیر کی اقلیتوں کو لیجسلیو اسمبلی کے مجوزہ آئین میں
جائزہ تحفظات اور پابندی دینے میں زیادہ مزاحج دل ثابت ہوں گے۔ میں
چاہتا ہوں کہ ریاست کی تمام آمدنی کو باشندگان ریاست کی بہتری
پر ہی خرچ کیا جائے۔ میں تحریف رعایا ریاست کا حامی ہوں۔ آئین سازی
میں میں مخلوط طریق انتخاب کو ترجیح دیتا ہوں۔ اگر ہندو حکومت کشمیر کی
سنری کو جمہوریت کے اصولوں پر چلانے کی تحریک کی مخالفت چھوڑ
دیں۔ میری انتہائی خواہش یہ ہے کہ اس ملک کے لوگ بلا امتزاج مذہب
ملت مادر وطن کی آزادی کے لئے جدوجہد کریں۔ میں اس حالت کو دیکھنے
کے لئے گلا جا رہا ہوں۔۔۔۔ میں اور میرے رفقاء ہندوستان بھیلانے کو
تیار ہیں لیکن ہندو کھائی اس کا مناسب جواب دیں۔ اگر ہندو چاہتے ہیں۔ میں
تحفظات اور پابندی کے لئے نیڈت جو اہر لال ہنزو کو اپنا واحد ثالث
مقرر کرتے کو تیار ہوں۔ جس کا فیصلہ ہر ایک فرقہ کو لازمی قبول کرنا ہوگا
ہندو اور مسلمانوں کے نمائندے اپنے اپنے معاملہ کو نیڈت ہنزو کے سامنے
رکھ کر تمام حالات بتا دیں۔ اور پھر قسم کھالیں کہ دونوں پارٹیوں کو
سننے کے بعد جو فیصلہ دیا دیتے ہیں۔ اس پر پارٹیاں کا بند رہیگی" ۱۵

اس بیان سے سند و دل کے اندر ایک جماعت نمایاں طور پر
پیدا ہو گئی جس نے شیخ محمد عبداللہ کو ریاست کا واحد اور صحیح رہنما مان
لیا۔ جب اسمبلی کا انتخاب ختم ہوا۔ اور کامیاب ممبران کے اسماء گرامی
شائع ہوئے۔ تو آپ کے اُن کے نام ذیل کا مکتوب ارسال کیا۔

ہمارے وطن کے ایک اعلیٰ خادم کا جنت سے میں آپ کو
انتخاب میں کامیابی کے لئے ایک مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ کو جو
آلفت اہل لیان کشمیر سے ہے۔ اس کو دیکھ کر مجھے بھرپور ہے۔ کہ اسمبلی
سماں جو ان خواہشات اور اس خواب کو پورا کرے گی۔ جو ہمارے دلوں میں
آج سے بہت عرصہ پہلے جاگزیں ہیں۔ کئی سائیل کا حل کرتے ہوئے ہم نے بحیثیت
انفراد مختلف فرقوں کے ماضی میں غلطیاں کی ہوں۔ ایک دوسرے کے متعلق ہلکے
لالیف میں غلط فہمی پیدا ہوئی ہو۔ اور اپنے مخالفوں کے خیالات کو کوئی وقعت
نہ دی ہو۔ لیکن مجھے امید ہے کہ وقت آگیا ہے۔ کہ ہمیں ماضی کو بھول چھوڑنا
چاہیے۔ اور آئندہ کیلئے خلوص دل سے اپنے چمکدار مستقبل پر بھرپور رکھنا
چاہیے۔

مجھے انسوس ہے کہ کئی ایسی باتوں کی وجہ سے جو میرے بس
میں نہ بھتیں۔ میں اور میرے چند رفقاء آپ کے درمیان میں اسمبلی میں نہ ہونے
لیکن مجھے پوری امید ہے کہ آپ جیسے تجربہ کار احباب کی حاضری میں جن کو
دنیا کا کافی علم ہے۔ ملک آپ سے ہماری نسبت زیادہ اُسید رکھ سکتا ہے۔
اب جبکہ تمام فرقوں کے نمائندگان کو اسمبلی میں ایک مشترکہ
پلیٹ فارم پر مل کر اپنے اپنے خیالات کو اظہار کا موقع ملا ہے۔ مجھے اُسید

ہے۔ نہ نیشنلزم کی سپرٹ پیدا ہو جائیگی۔ اور آپ اور آپ کے قابل قتل
 رفقا کسی فرقہ یا مذہب کا امتیاز سے بالاتر رہ کر ملکی مفاد کو اُس آئینی جدوجہد
 میں جو آپ کے سامنے ہے۔ سب سے آگے رکھیں گے جس بھی باہر اسی کام کے لئے
 اپنی تمام تر طامینیں اپنی بباط کے مطابق خرچ کرونگا۔

سندرجہ بالا مسطور سے صاف عیاں ہے کہ شیخ محمد عبداللہ
 اوائل عمر سے ہی قوم پرست واقع ہوئے ہیں۔ انہیں اگر فرقہ پرست بن کر کچھ مدت
 کے لئے کشمیر میں کام کرنا پڑا۔ تو اُس کی وجہ یہ تھی کہ سندو برسر اقتدار ہوئے
 اکی وجہ سے کسی مسلم کو آج سے چار سال پہلے رہنما ماننا گوارا نہ کرتے تھے۔ اور
 سلمان بھی سیاسی تحریک کے بغیر غایت سے علیحدہ ہی واقع نہ ہو سکتے تھے
 جتنا کہ مذ اسلام خطرے میں "اور سلمان کچل گئے" کے جذباتی نعروں سے اٹھائے
 جا سکتے تھے۔ لیکن شیخ محمد عبداللہ کب تک اپنے دل کے قدرتی جذبات کو
 ان نباوٹی طریقوں سے دبا سکتے تھے وہ جانتے تھے کہ فرقہ پرستی کی
 طبیعت کے لئے زہر قاتل ہے۔ جب بڑبیون کے نمائندہ نے اُس سے
 ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کے دن جموں میں دریافت کیا کہ پچھلے سال
 ان کے خیالات قوم پرستانہ نہ تھے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ

ہنیں میرے دور۔۔۔ ایسا نہیں ہے۔ میرے خیالات

میں کوئی ایسا تغیر واقع نہ ہوا۔ صرف میرے خلاف زبردست اور مکرر
 پروپیگنڈا جاری ہے۔ لیکن خدا نے چاہا کہ میرے متعلق بہت کچھ جلدی روز
 روشن میں آئیگا۔

۱۹۳۵ء کی ابتدا میں جب آپ دہلی لیجلیٹو اسمبلی کا

اجلاس دیکھنے کے لئے چلے گئے اور وہاں قوم پرست مسلمانوں کے
 ملے۔ تو آپ سے رہانہ گیا۔ اور آپ نے ڈاکٹر کچلو کے مکان پر وہ بیان دیا جس
 کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

کشمیر والیں آتے ہی آپ نے ان کا ہمدردی کو جاری کرنے
 کے سلسلہ میں مسلمان دوستوں کے نام لکھی تھی جس میں درج ہے کہ
 در آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ میں سرنگری سے ایک بالتصویر
 سفت روزہ اخبار ”ہمدرد“ عنقریب جاری کرنے والا ہوں
 اس اخبار کے جاری کرنے سے میرا مدعا ملک میں صحیح قوم پرستی کی
 تحریک کی داغ بیل ڈالنا ہے جس سے تمام فرقہ حیات و طبقہ حیات
 جو اس ملک میں آباد ہیں۔ کے جائز حقوق کی حفاظت ہو سکے۔
 یہ بات آپ سے پوشیدہ نہیں کہ میں نے اپنی زندگی
 کا مقصد اعلیٰ ملک و ملت کی خدمت سمجھ رکھا ہے۔ اور جہاں
 بھی میں ہوں گا۔ میری ہر ایک حرکت اس مقصد و جد کو حاصل کرنے
 کے لئے ہوگی۔ اٹھتے۔ بیٹھتے۔ سوتے۔ جاگتے۔ اس ملک کے باشندے
 ہند و متہمدن ممالک کے لوگوں کی طرح خوش و خرم زندگی بسر
 کرنے کے وسائل اب حاصل کر لیں۔ ایسا کرنے کے لئے مجھے جو
 بھی قدم اٹھانا پڑے۔ پیچھے نہ ہٹاؤں۔ اور نہ ہٹوں گا۔ جو قربانی
 دینی پڑے گی۔ دینے سے نہ جھجکوں گا۔

آپ جانتے ہیں کہ جب تحریک کشمیر شروع کی گئی تھی
 اُس وقت مسلمانوں کی حالت اس ملک میں برباد و برباد تھی

بڑھ بھڑکیوں کی سی تھی۔ اگرچہ اُن کی آبادی وادی کشمیر میں ۲۷ و فیصدی کے کم نہ تھی۔ لیکن اُن کی حالت ناگفتنی تھی۔ ہم نے اپنی آواز کو اٹھا کر اقوام عالم کو اپنی مظلومیت سے آگاہ کر دیا۔ ہم نے سمجھا دیا کہ قوم کو بیدار کر دیا۔ ہماری آواز دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ گئی۔ اور اس سے نہ صرف ہماری حکومت بلکہ برادرانِ وطن بھی متاثر ہوئے۔ اس کے عوض ہمیں حیدر خان صاحب ملے۔ جن میں سے گاندھی کمیشن کی سفارشات پر لیس اور پیٹ فارم کی آزادی۔ آئین بنانے کی آزادی۔ اور لیجسلیو اسمبلی کا قیام قابلِ ذکر ہیں۔

آپ پر یہ بھاری روشن ہے۔۔۔۔۔ کہ یہ تحریکِ حریت کی ابتدا تھی۔ ابھی مقصدِ وحدت کرنے تک منزل بہت دور ہے۔ جس کو طے کرنے کیلئے ہمیں آراستہ ہونا لازمی ہے۔ بہت عذر و غرض کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس راہ پر چلنے کے لئے جواب ہمارے سامنے ہے۔ ہمیں سب سے پہلے ملک میں رہنے والی تمام جماعتوں اور فرقوں کے اندر وطن کے جذبات کو ابھارنا ہے۔ مسلمانوں نے دکھا دیا کہ اکثریت کو ہمیشہ کیلئے دبا یا نہیں جاسکتا۔ انہیں مظلوم رکھ کر حکومت اور دوسرے فرقیہین نہیں لے سکتے۔ ان تعاون کے بغیر کوئی ملکی وحدت حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن مسلمانوں کو اب اپنی ذمہ داری بھی محسوس کرنی چاہیے کہ وہ اکثریت میں جوتے ہوئے بھی اقلیت کا اعتماد حاصل کر لیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ہندوستان میں مسلمان کانگریس پر بھی الزام لگاتے ہیں کہ مسلمان کانگریس مسلمانوں کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا تب تک ہندوستان کو آزادی نہ ملے گی۔ میری رائے میں اس الزام سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے جو مسائل اب ہمارے پیش میں ہیں ان میں اگر ہم اقلیت کا

اعتماد حاصل نہیں کر سکتے۔ تو آگے بڑھنا مشکل ہو گا۔ آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ مصطفیٰ اکمال اور
عازمی زائے سلول نے ترک اور مصر میں تحریک حریت کی کامیابی کا فائدہ ایسی بات پر رکھ دیا تھا کہ
ان ملکوں کی مسلم اکثریتیں غیر مسلم اقلیتوں کا اعتماد حاصل کر سکیں۔

مذہب بالا طور لکھنے کی ضرورت مجھے اس پڑی ہے کہ آپ واضح ہو کہ میں جو یہ
قدم اٹھانا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی اور پیار وطن کی بہتری مقصود ہے۔ میں ملک ملت کو کبھی دھوکا نہیں
دے سکتا۔ اس جب میرا ضمیر اور میری ذمہ داری مجھے بتا رہی ہے کہ اب قوم پرستی سے ملک و ملت فائدہ مند
ہو سکتے ہیں۔ میں اس خوف نہیں کر سکتا۔

مجھے اس بات سے بھی انتہائی خوشی حاصل ہوتی ہے کہ اس پاک مشن کو کامیاب
بنانے کیلئے میرے قابل فخر سموطن بھائی نڈت پریم ناتھ بڑا آرنے میرا ساتھ دیا ہے۔ نڈت جی کا
ایم گرامی یہی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کا خلوص جتنا مجھے معلوم ہے۔ اور کسی کو نہیں ہم نے
سکول اور لچ میں اکٹھے پڑا ہے۔ خوش قسمتی سے اب مجھے نڈت جی کے ساتھ دو سال دوستانہ
کام کرتے ہوئے ہیں۔ مجھے یہ کہنے میں ذرا بھر بھی تامل نہیں کہ اہلیان ریاست کو آپ کی ذات پر
جتنا بھی لازم ہو۔ کہ نڈت جی کی غیر متعصبانہ اور بے لوث طبیعت اس کو کیا زیادہ ثبوت ہو سکتا ہے
کہ گھنسی کشن میں باوجود اس امر کے کہ آپ کے مخالفین آپ پر کینہ اور نہایت ہی لگے کھلے کئے۔ آپ
تمام فرقوں کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کے چلے آجیرم تک سفارش کی آپ نے ایسا کرنے میں جعفر بانی دی۔ وہ
دنیا پر روشن ہے۔ آپ کی زندگی پر چلے ہوئے لیکن آپ کے پاس استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش نہ آئی۔ اب
وہی دشمن آپ کی اصول پرستی کی داد دے رہے ہیں۔

ان حالات میں یہ بات قوم اور ملک کیلئے باعث خوشی ہے کہ ایک ایسی تحریک کی تلاش
دلی جا رہی ہے جس وطن کے تمام باشندے ترقی کر سکیں۔ ملک سیاسی مجلسی اور اقتصادی طور سے آگے
جسے قوی ایسے کہ آپ اس طرح سے امداد فرمائیں گے۔ امر اخبار احمد کو کانیا بنا کیلئے۔ اپنا عطیہ ملے

ارسال فرمائیں گے۔ شکور بنو لگا ہو۔

شیخ محمد عبداللہ کے سیاسی مسلک کی نسبت لکھتے ہوئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حکمران کشمیر متبعی ان کے خیالات کا بھی کچھ ذکر کیا جا۔ کیونکہ جب اوپر بتایا گیا ہے۔ شیر کشمیر ایک یہ الزام بھی عائد کیا جاتا ہے۔ کہ ان کا مقصد تخت کشمیر کے خلاف بھی سازش کرنے کا ہے۔ قلعہ ساری پر بگ رانی پانے کے بعد جامع مسجد کے اندر اپنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں سب مسلمانوں کو جو اس وقت خانہ خدا میں بیٹھے ہوئے ہیں اس قرآن کف کا (ہاتھ میں قرآن اٹھا کر) واسطہ دیکر دریافت کرنا ہوں کیا میں نے خفیہ یا علانیہ کفر کیا یا

اشارہ کبھی مباراجہ بہادر یا حکومت کشمیر کا تختہ الٹنے کا شورہ دیا۔

جہوں و کشمیر مسلم کانفرنس کے پہلے اجلاس کے خطبہ صدارت میں آپ نے بتایا تھا کہ ”میں مباراجہ بہادر کی ذات سے ہرگز کوئی عداوت نہیں۔ بلکہ ہم پوری طرح ان کے فرمانبردار ہیں۔ ہمارا حقوق کا مطالبہ ہرگز حکومت کے خلاف نہیں کہلا یا ہمارا تمام ستمدن ممالک میں بادشاہ اپنی مرضی سے رعایا کو ان کے حقوق سے دینے ہیں۔ اور رعایا اپنے حقوق مانگ رہی ہے۔ مگر باوجود اس کے ان کی رعایا ان کی کامل فرمانبرداری کو کھلاتی ہے۔ اور اس میں شک نہیں۔

کہ وہ فی الواقعہ وفادار ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کچی وفاداری اسی کا نام ہے۔ کہ حاکم وقت کو لوگوں کی آنگوں اور خواہشوں سے واقف کیا جا۔ کیونکہ حکومت کا منصب رعایا کی سچی بہبودی کیلئے سامان ہونا ہے۔ نہ کہ ان کی خواہشات کو پامال کرنے کے لئے۔“

شیخ محمد عبداللہ آج تک گذشتہ کئی سالوں میں ہمارے ہاں کی سالگرہ پر مبارکبادی تار ارسال کرتے آئے۔ آج تک آپ نے اپنی تقریروں باخبروں میں حکمران ریاست کی ذات کے خلاف نہایت ایک حرف تک نہیں لایا۔ آپ کی رائے میں سیاسی جدوجہد مباراجہ بہادر کی پوری دفاعی ہے۔

ہم نے دیکھ لیا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ یوسف شاہ کے اختلافات
 کی اصلی وجوہات کیا تھیں۔ لیکن میر واعظ نے ان کو پس پر وہ رکھ کر پروپیگنڈا شروع کیا۔
 کہ شیخ محمد عبداللہ احمدی ہے۔ اور وہ احمدیوں کو ہر جائز فوجی طریقہ سے ادا دے کر
 کشمیری مسلمانوں کو احمدی بنانا چاہتا ہے۔ اس پروپیگنڈا کی عرض و غایت یہ تھی کہ
 کشمیری مسلمان جو حنفی عقیدہ کے پابند ہیں۔ اور احمادیوں کے ساتھ کئی اہم مذہبی عقائد کے متعلق
 اختلاف رکھتے ہیں۔ شیر کشمیر سے بدظن ہو جائیں۔ لیکن اس پروپیگنڈا کا متوقع اثر یہ ہوا
 بلکہ سادہ لوح میر واعظ اپنی اس پالیسی سے احمادیوں کا آلہ کار بن گیا۔ کیونکہ کچھ شیخ محمد عبداللہ
 کے ساتھ محبت کی وجہ سے کچھ اس راز جوئی کے شوق سے کہ احمدیت ہوئی کیلئے۔ جس کے
 خلاف میر واعظ اتنا پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ احمدی اپنے غیر ہر و لعزیز نہیں مانتے کہ وہ تھے۔
 تھے کہ جب اسمبلی کے انتخابات کے لئے امیدواروں کو نامزد کیا گیا۔ تو شیخ محمد
 عبداللہ نے مولوی عبداللہ وکیل کو سرنگری کے وارڈ ملے سے امیدوار کھڑا کر کے کامیاب
 کر دیا۔ حالانکہ میر واعظ یوسف شاہ کا رنچ اقتدار اس وارڈ میں سب سے زیادہ ہے۔
 شیخ محمد عبداللہ کا مذہبی عقیدہ کیا ہے۔ اور کیا وہ احمدی ہے۔ یہ جاننے
 کے لئے ہمیں ان کے اعلانات کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جو انہوں نے کسی بھری مجلس میں
 کئے ہوں۔ یا جو ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک ان کا آج تک وہی مذہب
 مانا گیا ہے جس کا اس نے بیان دہل اعلان کر دیا ہو۔
 اوپر بتایا گیا ہے کہ ایک سلیک جلسہ میں شیر کشمیر نے حاضرین کو بتایا
 تھا۔ کہ مسلمان ہوں۔ اور اسلام کو ہی اپنی مددگار بنات کا واحد ذریعہ سمجھتا ہوں
 جب میر واعظ نے آپ کے خلاف احمدیت کا الزام لگا کر ۱۹۲۳ء
 کے آغاز میں جامع مسجد کے اندر زبردست پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ تو شیخ محمد عبداللہ

بیرون ریاست چلے گئے تھے۔ آپ کو جب یہ خبر ملی۔ تو آپ ۱۶ اپریل کے روز جموں
میں شالہ مار باغ کے اندر نماز عید کے بعد مسلمانوں کے عظیم الشان صلبہ میں تقریر کرتے
ہوئے۔ اعلان کر دیا۔ کہ

”وہ اشخاص صریح جھوٹ کہتے ہیں جو مجھے احمدیت اور مرزا ایت
کی بہمت دے رہے ہیں۔ میں نے کئی دفعہ اپنے عقائد کا اعلان کیا ہے۔ اور آج
میں پھر اپنے عقائد کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ میں مسلمان ہوں۔ رسول کریم صلی
اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین سمجھتا ہوں۔ اور آپ کی بعثت کے بعد کوئی نبی نہیں ہو
سکتا۔ اور میں ہر مدعی نبوت کو مسلمان نہیں سمجھتا۔“

شیخ محمد عبد اللہ کی چوتھی گرفتاری میرزا غلام یوسف شاہ کے
ساتھ اختلافات کی وجہ سے پیدا شدہ نتائج کی بنا پر عمل میں لائی گئی تھی۔
آپ رام پور کے بعد پنجاب چلے گئے۔ تو وہاں آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں دلچسپی
لینے والے غیر احمدی مسلمانوں نے آپ کے مذہبی عقائد کے متعلق ایک سیکلریشن
لیا۔ اس کے بعد مفصل ذیل اخباری بیان شائع کر دیا گیا :-

در آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے ایک جلسے اجلاس میں۔ جو ۶ مارچ
کو امرتہ میں منعقد ہوا۔ کشمیر کے شیخ محمد عبد اللہ نے اعلان کیا۔ کہ نہ تو
وہ قادیان کا قادیانی ہے۔ نہ (لامپوری مرزائی) اور نہ دیگر مسلمانوں کے
ساتھ آجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹا بنی تصور کرنے میں متفق ہیں
اس صاف اور غیر مبہم اعلان کے بعد ہم اس کو سچا مسلمان دوسرے ملک
کا وفادار خادم مانتے ہیں۔ اس لئے ہم اس تمام پر پختہ دلی مذمت

کرتے ہیں۔ جو اُس کے یا اُس کی تنظیم کے خلاف اس بنا پر کیا جاتا ہے
کہ وہ قادیانی ہے۔ لے

اس بیان پر سر محمد اقبال۔ خان بہادر رحیم بخش۔ شیخ صادق
ایم۔ ایل۔ اے۔ رید محسن شاہ ایڈووکیٹ۔ میاں برکت علی ایڈووکیٹ۔
غلام رسول بار ایٹ لا۔ خانصاحب فیروز دین آنریری مجسٹریٹ امرتسر۔ خانصاحب
حام الدین آنریری مجسٹریٹ امرتسر۔ میاں حفیظ اللہ آنریری مجسٹریٹ امرتسر
خواجہ غلام صادق ظہور الدین۔ دین پال میونسپل کمشنر امرتسر۔ سر لاج الدین احمد
ایڈووکیٹ امرتسر۔ اور محمد عبداللہ کے دستخط ثبت تھے۔

اس اعلان سے وہ دل شہات سے پاک ہو گئے۔ جو
پروپیگنڈا کاشکار جو کہ ایمان داری سے شیخ محمد عبداللہ کو احمدی سمجھتے
تھے۔ لیکن میر داغظ یوسف شاہ کے لئے یہ ناکافی ثابت ہوا۔ انہوں نے
اپنے پروپیگنڈا کو جاری رکھا۔ اور اب بھی وہ شیخ محمد عبداللہ کو احمدی
اور آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو مرزا کی جماعت کہتے رہتے ہیں۔

مستند

کشمیر پبلشنگ کمپنی کی مطبوعات

سوانح حیات کشمیر

اس کمپنی کا پہلا کارنامہ ہے۔

کمپنی کی تصنیفات کا دوسرا نمبر ہوگی جس میں

کشمیر کے تمام جدید و قدیم رہنماؤں کے

حالات زندگی ہوں گے

تاریخ مشاہیر کشمیر

تیسری کتاب ہے۔ جو موجودہ تحریک کے

چار سالہ حالات پر مشتمل ہوگی۔ یہ دونوں

تاریخ تحریک کشمیر

کتابیں بھی

مخدوم جناب پنڈت پریم ناتھ صاحب بزار

کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ ہر ایک کتاب مناسب موزوں ویر

سے مزین ہوگی

ناظرین انتظار فرمائیں۔ (ریجنر)

محمد زکریا خان
سرنگشیر
میمن

نہایت پریم ناتھ گھوڑا مہ کے اہتمام سے چھپا

محمد زکریا خان
سرنگشیر
میمن

نے شائع کی